Registered No. L. 5340

جلد ۳۲
عدد ۳

شائع شدہ ماہ ستمبر

رمضان ۱۳۶۸ھ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

نعیم صدیقی

جاری کردہ:

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ

قیمت سالانہ پانچ روپے

رسالۂ دینیات

رسالۂ دینیات یہ رسالہ ہائی اسکول کی آخری جماعتوں میں تعلیم پانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے لکھا گیا ہے۔ اِس میں تعلیم دینیات کا بالکل جدید طرز اختیار کیا گیا ہے۔ مسلمان نوجوانوں کو کالج کی منزل میں داخل ہونے سے پہلے یہ رسالہ پڑھا دینا نہایت ضروری ہے۔ اسمیں بہترین عقلی دلائل کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اصولِ شریعۃ کو سمجھایا گیا ہے اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو زمانۂ جدید کے دماغوں میں عموماً پیدا ہوتے ہیں۔

طلبہ کے علاوہ عام ناظرین اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بھی اس رسالہ کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں نیز علماء بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ رسالہ انکو بتائیگا کہ اس دور میں اسلام کو پیش کرنیکا صحیح طریقہ کیا ہے

قیمت ۸/ ؛ محصولڈاک ۲/ خرچ وی پی ۳/

TOWARDS UNDERSTANDING ISLAM

BY

SAYYID ABUL-ALA MAUDUDI

This small book is an attempt at a clear and concise interpretation of Islam. The chief aim in view has been to present within a brief space the most systematic and logical conception of Islam to build a coherent and organic structure of human life on the basis of this conception and to give a comprehensive and lucid account of what this religion in reality is.

All the prominent journals and dailies of India have highly spoken of this little book. Order your copy just now. Price Rs. 3/8.

The Manager,
TARJUMAN-UL-QURAN,
Jamalpur, F. F., District Gurdaspur.

ترجمان القرآن

فہرست مضامین

جلد ۳۲ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۹ء | عدد ۳

سید ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے مرکنٹائل پریس چیمبرلین روڈ لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۳)

دنیا کے آزاد ترین ممالک اس لحاظ سے بدنصیب ہیں کہ ان کی آزادی کی ساری دولت پر ایسی ناسق قیادتیں قابض ہیں جو سرمائے اور ذہنی برتری کے زور سے عوام کے ووٹ حاصل کر کے حکمران بن گئی ہیں اور اپنی ریاستوں کے تمام ذرائع و وسائل کو اپنی اغراض کی خدمت میں لگائے ہوئے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ، روس اور دوسرے تمام ممالک میں آزادی صرف برسرِ اقتدار طبقوں اور پارٹیوں کی جاگیر ہے اور بچارے عوام ان طبقوں اور پارٹیوں کے سامنے غلامی کے مقام پر کھڑے ہیں۔ یہی حال دوسرے چھوٹے بڑے ممالک کا ہے اور اسی حال میں برِ عظیم ہند کے باشندے مبتلا ہیں۔

ہماری آزادی کی جدوجہد کا پہلا مرحلہ انگریزی اقتدار سے نجات پانے کے لئے تھا، دوسرے مرحلے میں ہندوستانی امپریلزم کے خطرے سے بچ نکلنا مطلوب تھا، اور اب تیسرا مرحلہ جو قوم کو درپیش ہے، اس میں پہلی پر گھر کے خطرناک ترین امپریلزم سے نجات پانے کی جدوجہد کرنی ہے۔ بتانِ کلیسا کی بندگی سے ہم نکل چکے ہیں، بتانِ دیر بھی ہمیں اپنا زناری بنانے میں ناکام رہے ہیں لیکن اب جھگڑا بتانِ حرم سے ہے جن کی شانِ خداوندی میں کچھ زیادہ تقدس اس وجہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے خود ساختہ بت ہیں اور پھر ستم یہ کہ ان کے ہونٹوں پر لا الٰہ الا اللہ کا کلمۂ طیبہ بھی رقصاں رہتا ہے۔ غیروں کے مقابلے میں اپنوں کی غلامی سے نکلنے میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اپنے بہرحال اپنے ہوتے ہیں، ان کی برادریاں اور پارٹیاں ہوتی ہیں، چاروں طرف اُن کے روابط کے جال پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، وہ قوم کی نفسیات اور اس کے مذاق و رجحانات کے رمز آشنا ہوتے ہیں، وہ عوام کی دکھتی رگوں کو جانتے ہیں، وہ اس سیاسی لبلبی کے ماہر ہوتے ہیں جس سے قوم مسحور

ہوسکتی ہے، وہ ان نعروں اور اصطلاحوں کے صحیح استعمال کے رازداں ہوتے ہیں جن سے بڑے بڑے اہلِ خرد کو بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ فرعون اور اس کے بنائے ہوئے بتوں کے خلاف بنی اسرائیل کو نفرت دلانے کے لئے اُس شدید "ضرب" کی بھی ضرورت نہ تھی جو بنی اسرائیل کے اپنے بنائے ہوئے "العجل" کا سحر توڑنے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے استعمال کی تھی!

بہ حیثیت مسلمان ہمارا تصورِ آزادی ساری اقوام سے نرالا ہے۔ ہم اپنے آپ کو اُس وقت تک آزاد نہیں سمجھ سکتے جب تک ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و اطاعت کے لئے انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں غیر الٰہی ضابطہ و قانون سے آزاد نہ ہو جائیں — چاہے وہ ضابطہ و قانون سمندر پار سے آیا ہو یا اپنے دیس کے لوگوں کا ایجاد کردہ ہو۔

جب تک ہمارے اوپر غیر اسلامی دستور، غیر اسلامی قانون، غیر اسلامی نظامِ تعلیم، غیر اسلامی سیاست و معیشت اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن مسلط ہے اُس وقت تک ہماری غلامی کی زنجیریں نہیں کٹیں۔ ہمارے لئے صبحِ آزادی اُس وقت طلوع ہوتی ہے، جب ہم اپنی پوری ملی زندگی کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھالنے پر قادر ہو جائیں اور اس مدعا کو حاصل کرنے میں نہ غیروں کی طرف سے کوئی رکاوٹ باقی رہے، نہ اپنوں کی طرف سے کوئی مزاحمت!

یہی تصورِ آزادی تھا جو برِ عظیم ہند کے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قومیت بنانے اور ایک مشترکہ جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالنے میں مانع ہوا اور اسی کی وجہ سے ہم مجبور ہو گئے کہ اپنے لئے ایک جداگانہ خطۂ زمین حاصل کریں۔ یہ خطہ زمین گرانبہا قربانیوں کے عوض ہمیں حاصل ہوا، در آنحالیکہ دوسری قربانیوں کے ساتھ ہمیں تقسیم کی چھلک نا انصافیاں بھی گوارا کرنی پڑیں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس خطۂ ارضی کی آزادی کی ساری دولت اکثر بڑا ایسے جانشینوں کے سپرد کر دی گئی ہے جو اس کو نظامِ اسلامی کی تعمیر پر صرف کرنے میں برابر نیت و لعل کر رہے ہیں۔ کل یہی لوگ تھے کہ اسلامی نظامِ تمدن و سیاست کے نام پر آزادی کی جنگ میں مسلمان عوام کا تعاون حاصل کر رہے تھے لیکن آج یہی لوگ ہیں کہ عوام کی طرف سے اسلامی نظام کے مطالبے پر ان کے

چہرے غضب آلود ہو جاتے ہیں اور جو لوگ عوام کے اسلامی مطالبات کو آگے بڑھ کے واضح کرنا چاہتے ہیں، اُن کو دبانے کے لئے بے محابا سیفٹی ایکٹ جیسے خلافِ اسلام قوانین کا استعمال کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہم نے ان کو آزادی کا متولی اگر بنایا تھا تو اس لئے کہ یہ اپنے وعدوں کے مطابق دولتِ آزادی کو رضائے الٰہی کے مطابق صرف کریں گے، لیکن عام وعدوں کے علاوہ خدا کی نیابت اور حدود اللہ کی پابندی کے قطعی دستوری اعلان کے بعد بھی ہمارے متولیوں کی روش میں کوئی حقیقی تغیر نہیں آیا جس سے یہ امید باندھی جا سکے کہ آزادی کے اسلامی تصور کے نقطۂ نظر سے یہ حضرات آئندہ مراحل میں ہمارے کسی کام آسکتے ہیں۔ اب کوئی چارۂ کار اس کے سوا باقی نہیں ہے کہ ہم اپنے ان متولیوں کو بدل دیں۔

ہمارے سامنے اب ایک صحیح اسلامی دستور مرتب کر کے اس کی بنیادوں پر ریاست و معیشت کے اسلامی نظام کو استوار کرنے کا تعمیری پروگرام ہے۔ اس تعمیری کام کے لئے ہم کو نئی ذہنیت، نئی علمی قابلیت اور نئی سیرت رکھنے والے انجینئر، معمار اور مزدور درکار ہیں، ہمیں اپنی ضروریات کے لئے نئی دستور ساز اسمبلی چاہیئے نئی پارلیمنٹ اور اسمبلیاں چاہئیں، نیا کابینہ چاہیئے، نئی داخلہ اور خارجہ پالیسی چاہیئے، نیا نظم و نسق اور اسے چلانے کے لئے نئے کارکن چاہئیں۔

اس ہمہ گیر تبدیلی کے لئے پیش آمدہ انتخاب سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا اگر قوم تہیہ کرلے تو انقلابِ قیادت بپا ہو سکتا ہے اور ہم اسلام کے دیئے ہوئے تصور کے مطابق کامل آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

ان امور کا احساس پاکستانی عوام میں کم سہی، لیکن موجود ضرور ہے۔ اس احساس کو متعدد عناصر کی کارگزاریاں روز بروز زیادہ گہرا کر رہی ہیں، اور اگر ایک منظم جماعت اس احساس سے صحیح کام لینے کے لئے میدان میں نکل آئے تو کوئی وجہ نہیں کہ مفید نتائج برآمد نہ ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ آنے والے انتخابات میں عوام کا زاویۂ نگاہ وہ نہیں ہوگا جو اب سے پہلے رہ چکا ہے۔

ایک وقت تھا کہ انتخابات میں ووٹر یہ دیکھا کرتے تھے کہ کونسا امیدوار انگریز کا آلۂ کار ہے اور کس امیدوار میں حُبِّ وطن کار فرما ہے، پھر دوسرے دور میں یہ سوال پیشِ نظر تھا کہ کون کانگرسی ہے اور کون مسلم لیگی ہے؟۔

اب یہ دونوں دور گزر چکے ہیں اور اب نہ انگریزی اور ہندوستانی کا سوال کوئی معنی رکھتا ہے، نہ کانگریس اور مسلم لیگ کا سوال چھیڑنے کی کوئی بنیاد باقی رہ گئی ہے۔ اب انڈیا میں اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ کانگریس کے کہنے پر وہ آنکھیں بند کر کے نائی اور بھنگی کو ووٹ دے دیں اور پاکستان میں اس کا کوئی موقع نہیں کہ عوام سوچے سمجھے بغیر ہر اس لکڑی کے کندے کو نمائندہ منتخب کر لیں جس کی طرف مسلم لیگ نے اشارہ کر دیا ہو۔ اب انڈیا کے ووٹروں کو قدرتی طور پر یہ سوچنا ہوگا کہ کون کیسا خادم ثابت ہو سکتا ہے اور کس کے پاس کیا پروگرام تعمیر و ترقی کے لئے ہے۔ اسی طرح پاکستان کے رائے دہندگان کو اب انتخاب اس نقطۂ نظر سے کرنا ہوگا کہ کس کے علم و بصیرت اور اخلاق و تقویٰ پر یہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک صحیح اسلامی دستور پر پاکستان کے استحکام و ترقی کے سامان کر سکتا ہے اور اسلام کے اصولوں سے عوامی مشکلات کو حل کر کے دکھا سکتا ہے۔

ہمارے عوام میں اگر آزادی کے شعور و احساس کی کچھ روشنی بھی پھیل سکی ہو تو پھر ان سے یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ اب بھی وہ دورِ غلامی کی طرح روپے پیسے کو، جاگیرداروں اور کارخانوں کو، کوٹھیوں اور کاروں کو، قالینوں اور صوفوں کو اور کالتوں اور خطابوں کو سامنے رکھ کر ووٹ کی قیمتی دولت کو لٹا سکیں گے۔ آزادی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اکابر کے علم اور بصیرت کا، ان کی دینداری اور تقوے کا، ان کے اخلاق اور اطوار کا پورا پورا امتحان کر کے کوئی ذمہ داری ان کو سونپیں۔ عوام کے زاویۂ نگاہ میں اگر یہ تبدیلی عملاً پیدا ہو گئی تو سمجھ لیجئے کہ ملک کی آزادی و ترقی کی ساری راہیں کھل گئیں اور اگر اس تبدیلی کو روک دیا گیا تو یقین جانئے کہ غیر ملکی طاقتوں کی غلامی سے بدتر قسم کی غلامی —— اپنوں کی غلامی —— ایک عرصے کے لئے بطورِ سزا ان پر مسلط ہو جائے گی۔

ایسی ہمہ گیر اور دور رس تبدیلی کے امکان کو ہمارے پرانے اقتدار پسند حضرات بہرحال محسوس کر رہے ہیں، اور اسے روکنے کی ہر ممکن الحل تدبیر ان کے زیر غور ہے۔

خدا ناشناسی اور فسق و فجور کی طاقتوں کو عرصہ دراز سے خدا پرستی اور صالحیت کی طاقتوں سے دوبدو ہونے کا موقع پیش نہیں آیا۔ بلکہ دین و سیاست کی تفریق کے نظریے کو رائج کر کے خدا پرستی اور صالحیت کی طاقتوں کو میدانِ عمل سے باہر دھکیل دینے کے بعد فسق و فجور کا مقابلہ فسق و فجور ہی سے ہوتا رہا ہے۔ لیکن اب یہ

موقع پیدا ہو رہا ہے کہ دین و اخلاق کی طاقت فسق و فجور کو کھلم کھلا چیلنج کرے گی۔ قدرتی طور پر ایک نئی قسم کے حریف کو میدان میں دیکھ کر پرانی طاقتوں میں اشتعال پیدا ہوگا اور وہ اپنی قوت کا آخری حدِ امکان تک پورا پورا مظاہرہ کریں گی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس موقع پر دم توڑتے ہوئے پیشہ ور لیڈر ایک آخری سنبھالا لیں گے وہ جو پاکستان کی خدمت اور اسلام کی تجدید کے لئے کبھی متفق نہ ہو سکے تھے، اپنی اغراض کے لئے جھاڑو کے تنکوں کی طرح ایک مٹھ میں بندھ جائیں گے، وہ جو اپنی کمائیوں میں سے خدا اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے ایک کوڑی خرچ کرنے کا ظرف نہیں رکھتے، روپے کا سیلاب بہا دیں گے ــــ محض اس لئے کہ پاکستان کی تعمیرِ نو کے لئے کوئی صالح طاقت ابھر نہ سکے۔

قطع نظر اس سے کہ فسق و فجور کی تیاریاں اور استحکامات کیا کچھ ہیں، ہم کو تو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے بہر حال اپنا دینی فرض ادا کرنا ہے۔ اور مزاحمتیں جتنی شدید ہوں، اتنی ہی زیادہ سرگرمی قربانی سے کام لینا ہے ــــ اور انشاء اللہ ہم مزاحمتوں کا سینہ چیر کر اپنا راستہ نکال لیں گے، کیونکہ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ "الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"۔

جماعت اسلامی کو انتخابات میں جو مداخلت کرنی ہے اس کا مرکزی پہلو یہ ہے کہ صالحین کی زیادہ سے زیادہ طاقت میں اصولی اور مقصدی اتحاد پیدا کرکے رائے عامہ کو الیکشن میں حصہ لینے کے لئے اسلامی اصول و حدود کی تربیت دی جائے اور اسلامی معیارِ انتخاب کو ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ تم ایک ایسی مملکت کے باشندے ہو اور ایک ایسی قوم کے فرد ہو جو خدا کو اپنا حاکم مان چکی ہے، اس کی نیابت کے منصب پر قائم ہونے کا اقرار کر چکی ہے، اور حدود اللہ کی پابندی میں ہر قدم اٹھانے کا دستوری فیصلہ کر چکی ہے، لہٰذا اب تمہارا ووٹ اللہ تعالیٰ کی ایک "مقدس امانت" ہے اور اس امانت کو تم خدا کے قانون اور اس کے رسولؐ کی ہدایت سے ہٹ کر استعمال کرنے کے شرعاً، اخلاقاً اور دستوری حیثیت سے حقدار نہیں رہے۔ اب اگر تم خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف اپنا ووٹ کسی خوف کسی لالچ اور کسی غلط عصبیت کی بنا کر غلط لوگوں کے ہاتھ بیچ دو گے تو یہ اسلام سے ایسی ہی کھلی کھلی غداری ہو گی جیسے کسی مسجد کو ایک مشرک کے ہاتھ کردی رکھ دیا جائے جس

طرح نماز کی امامت اور خطابت کیلئے جاہل اور فاسق شخص کو دانستہ پسند کرنا ایک گناہ ہے، اسیطرح اپنے ووٹوں کے ذریعے اسلامی ریاست کا نظم ونسق چلانے کے لئے کسی غیر صالح آدمی کو منتخب کرنا بھی شریعت کی رو سے گناہ ہے۔

ہم اپنے عوام کو قرآن کا یہ حکم اچھی طرح سمجھا دینا چاہتے ہیں کہ:-

"ان تؤدوا الامانات الی اھلھا" اپنی امانات (خصوصاً امانتِ اقتدار) کو صرف اہل لوگوں کے حوالے کرو۔

اس آیت کے ہوتے ہوئے اگر ایک اہل شخص کو چھوڑ کر ایک نا اہل کو اس کے مقابلے میں رائے دی جائے تو اُس جُرم کے لئے مسلمان ووٹروں کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا کہ تم نے ووٹ کی امانت کے لئے ایک نااہل کو کیوں ترجیح دی؟

ہم اپنے عوام پر یہ حقیقت واضح کریں گے کہ اس وقت ملک کے اندر اسلام کے مخالفین اور اسلام کے مخلص خدمت گذار مقابلے پر آرہے ہیں، اب تم کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تم مغرب کے دین جمہوریت یا دینِ اشتراکیت یا بعض لوگوں کے خود ساختہ دینِ نفسانیت کو غالب کرنے کے لئے اپنا ووٹ استعمال کروگے یا اسلام کے محاذ پر کھڑے ہوکر ——— اس کے ذریعے فسق وفجور کی قوتوں کے خلاف جہاد کروگے؟

جماعتِ اسلامی عوام کو صرف اہل لوگوں کو ووٹ دینے کا اصولی فرض بتاکر ان سے الگ نہیں ہوجائیگی کہ بس اب تم اہل اور نا اہل کا امتیاز خود کرتے رہو، بلکہ اسے اہل اور نا اہل یا صالح اور غیر صالح کی تمیز کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت کو کھول کے سامنے لانا ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو تفصیل سے بتائے کہ اسلام اور پاکستان کی ضروریات کے لحاظ سے غیر صالح لوگوں کی کھلی کھلی علامات کیا ہیں جن کی طرف اسلام کے اصول رہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کو ووٹ کی خدائی امانت سپرد کرنا شرعاً حرام ہے، اُن سے پاکستان کے مناصبِ اقتدار کو بچانے کے لئے عوام کو "خطرے" کی کم سے کم حسب ذیل علامات سے خبردار رکھنا ناگزیر ہوگا:

(۱) شرعاً یہ حق صرف مسلمان عوام کو پہنچتا ہے کہ وہ سر جوڑ کر جا بجا بیٹھیں اور نیک سیرت اور سمجھدار لوگوں کے مشورے سے اپنے اندر سے صالح ترین فرد کو خود اسلام اور پاکستان کی خدمت کے لئے پسند کریں۔ منصب کی

خواہش کا اظہار اگر کسی شخص کی طرف سے ہو تو وہ خدا اور رسول کے دین کی نگاہ میں منصب کے لئے سب سے زیادہ نا اہل ہے۔ کیونکہ یا تو وہ منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی حرص میں مبتلا ہے، یا اسے ذمہ داریوں کے بوجھ کا اندازہ ہی نہیں۔ دونوں صورتوں میں ملّت کے لئے وہ مضر ثابت ہوگا۔ جہاں منصب کا لالچ ہوگا، وہاں لازماً یہ آثار موجود ہوں گے:-

(ل) اپنے آپ کو خود امیدوار بنا کر پیش کرنا یا لوگوں سے کہنا کہ مجھے منتخب کرو۔

(ب) ووٹ حاصل کرنے کے لئے روپیہ دینا اور ضیافتیں کھلانا،

(ج) اپنی تعریف و توصیف کے لئے لکھنے اور بولنے والے کارکنوں کو کرائے پر استعمال کرنا۔

(د) برادری یا پارٹی کی عصبیت کا واسطہ دلانا۔

(۲) ایک آزاد مملکت — خصوصاً ایک اسلامی مملکت کا نظام چلانے کے لئے علم اور بصیرت کی ضرورت واضح ہے۔ ہمیں آج ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اسلام کے نظامِ زندگی کا بھی پورا علم رکھتے ہوں اور موجودہ زمانے کی سیاست کو بھی جانتے ہوں۔ پس اگر کوئی شخص اسلام کے علم سے، یا دونوں پہلوؤں سے کورا ہو وہ کتنا ہی بڑا لیڈر کیوں نہ بنا چلا آرہا ہو، شرعاً ہمارے لئے نا اہل اور غیر صالح ہے۔ اب تو کسی منصب کے لئے پہلے اسلام کا علم اور پھر موجودہ زمانے کے حالات کے علم کو دیکھا جائے گا۔

(۳) اسلامی حکومت کا انتظام چلانے میں ہم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ کون کیسا مسلمان ہے؟ اب صرف "نعروں" سے آدمی کی حیثیت کا اندازہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ عملی زندگی پر بھی نگاہ ڈالنا لازم ہے۔ اب اسلامی نظام چلانے کے لئے وہ کارکن بے کار ہیں جن کی اپنی زندگی اسلامی نہ ہو۔ اب ہم ایسے نمائندوں کی خدمات کے ضرورت مند نہیں ہیں جو:-

(ل) مسلمانوں میں شامل ہیں، لیکن اسلام کو موجودہ زمانے کے لئے غیر موزوں سمجھتے ہیں اور اب جن کا ایمان یا تو جمہوریت پر ہے یا اشتراکیت پر!

(ب) وہ جو اسلام کے ان بنیادی عقاید سے ہٹ چکے ہوں کہ خدا نے لاشریک ہی انسانوں کا خالق، مالک، حاکم اور ہادی ہے، نبی صلعم ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے صحیح رہنما اور قطعی اسوہ ہیں، زندگی کے صحیح قانون

اور نظام کا ماخذ صرف کتاب و سنت ہے، اور یہ کہ عدالتِ آخرت میں بنی نوعِ انسان کے اعمال کی جزاء و سزا کا فیصلہ ہونا ہے

(ج) جو خدا اور رسول کے دین سے اتنی وفاداری نہ رکھتے ہوں کہ بنیادی عبادات کو پوری شرعی پابندیوں کے ساتھ مستقلاً سر انجام دیتے ہوں۔

(د) وہ جن کے عام معاملات اسلام کی اخلاقی حدود سے آزاد ہوں اور جن کے متعلق شراب نوشی سود خواری، بے پردہ معاشرت، رشوت ستانی، بلیک مارکیٹ، اموالِ متروکہ کی لوٹ، ناجائز الاٹمنٹ، رقص و سرود سے دلبستگی، مزدوروں اور ملازموں کی حق تلفی، مزارعین کی ایذارسانی، اچھے پیسوں کی آزادی گندی سوسائٹی سے وابستگی یا کسی دوسرے گناہِ کبیرہ مثلاً جھوٹ، افریب دہی، وعدہ خلافی، اسراف وغیرہ کا کھلا کھلا ثبوت مل چکا ہو۔

(ہ) وہ جو آج سے پہلے لیڈری یا کسی سرکاری عہدے کو حاصل کرکے اسے اسلام اور مسلمانوں کی صحیح خدمت انجام دینے میں استعمال کرنے کے بجائے ذاتی فائدوں کے لئے استعمال کرکے اپنا کھوٹ سامنے لا چکے ہوں۔

(و) وہ جن کی شخصی زندگیوں میں تقویٰ کا رنگ موجود ہو، لیکن جو اپنے تقویٰ کو ایسے اشخاص یا پارٹیوں کے ہاتھ بیچتے پھریں جن کی وفاداری اسلام سے نہیں ہے۔

یہ ساری علامات ایسی کھلی کھلی ہیں کہ عوام اگر ان کی فہرست سامنے رکھ لیں تو وہ بڑی آسانی سے خطرناک آدمیوں کو پہچان سکتے ہیں، اور یہ فہرست علامات بہرحال ہمیں اپنے عوام تک پہنچانی ہے۔

دوسری طرف مثبت طور پر جماعت اسلامی کا کام یہ ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ پاکستان کے ایک ایک فرد کو اس بات کا شعور دلائے کہ نبی صلعم کی شریعت کی رو سے ایسے صالح افراد کی علامات کیا ہیں جن کو منتخب کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے موجبِ برکت و فلاح ہے۔

رائے عامہ کی تربیت کی اس مہم میں صرف اتنا ہی کافی نہیں ہوگا کہ پوسٹروں، پمفلٹوں، ہینڈ بلوں،

اخبارات اور صالح لٹریچر کو استعمال کیا جائے اور تقریروں اور خطبوں سے کام لیا جائے۔ بلکہ زیادہ ضرورت اس بات کی ہوگی کہ ایک ایک حلقہ کے عام ووٹروں سے براہ راست شخصی ربط بڑھایا جائے، نیز بااثر لوگوں سے ملاقاتیں کر کے اُن کو اسلام کے تقاضوں کے احترام پہ آمادہ کیا جائے۔

لٹریچر، تقاریر اور شخصی ربط کے سارے ذرائع سے عوام اور خواص میں ایسا جذبہ ابھارنا ہمارے مدنظر ہے کہ وہ دینِ حق کی سربلندی کے لئے شخصی فائدوں، برادریوں کی عصبیتوں اور مہاجر و انصار کی تمیز کو بالکل دور کنار رکھ دیں۔ اس وقت صرف یہ سوال پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ پاکستان کی گاڑی کے ڈرائیور وہ لوگ بنتے ہیں جو اسے فسق و فجور کی شاہراہ پر نیویارک اور ماسکو کی طرف لے جانے والے ہیں یا وہ لوگ بنتے ہیں جو اسلام کی بتائی ہوئی شاہراہ پر ہماری گاڑی کو رضائے الٰہی کے حریمِ پاک کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ سوال اگر سامنے ہو تو پھر ان سوالات کا کوئی مقام نہیں رہتا کہ کون مغل ہے اور کون راجپوت، کون جٹی ہے اور کون ارائیں، کون زراعت پیشہ ہے اور کون غیر زراعت پیشہ، کون مہاجر ہے اور کون مقامی؟ بڑا سوال جب سامنے ہو تو چھوٹے سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔

خود شریعت کی رُو سے مسلم اور مسلم کے درمیان، ایمان، علم، اخلاق اور تقویٰ کے سوا کسی دوسری صفت سے فرق کرنا منع ہے۔ شعوب و قبائل کی تقسیمیں محض تعارف کے لئے ہیں، نہ کہ بھلے اور بُرے یا صالح اور فاسق کی تمیز کے لئے۔

اسی سلسلے میں عوام کو ایک اور چیز کی ترغیب دلانا بھی ناگزیر ہے۔ وہ یہ کہ اب وہ ہمت کر کے ان بتوں کو توڑ ڈالیں جو حق تنہا ہزاروں ووٹروں کی رائے جس کے ہاتھ چاہتے ہیں، بیچ دیتے ہیں اور اس سوداگری میں سالہا سال سے منافع کماتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر ایک مسلمان کا ووٹ خدا کی امانت ہے تو صرف خدا ہی سے اس کا سودا ہو سکتا ہے اور اس کا صحیح مصرف صرف خدا ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اب اگر کوئی زمیندار اور کوئی چودھری اور برادری کا کوئی سردھرا کچھ مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جدھر وہ حکم دے، اُدھر آنکھیں بند کر کے ووٹ دے دیا جائے تو گویا وہ خدا اور رسول کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے۔ جس طرح کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے زیرِ اثر لوگوں سے یہ مطالبہ کرے کہ جس رُخ میں کہوں، اُس رُخ نماز پڑھو، اسی طرح اُسے یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رسوخ کا

دباؤ ڈال کر کسی دوسرے مسلمان کو اس پر مجبور کرے کہ جدھر وہ ووٹ دلوانا چاہتا ہے، پورے اندھے پن کے ساتھ اُدھر ووٹ دے دیا جائے۔ ایسے لوگ ہماری سوسائٹی میں دراصل غیر اسلامی سیاست کی ساری مہلک وباؤں کو پھیلانے کے لئے جراثیم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے خلاف اب ازالۂ تعدیہ (Dis[illegible]tion) کی ایک باقاعدہ مہم شروع کرنی پڑے گی۔ اثر و رسوخ اگر اسلام کی خدمت کے لئے استعمال ہو تو وہ ایک نعمت ہے، لیکن اگر وہ دین کے تقاضوں اور مملکت کے مفاد کے خلاف برتا جائے تو وہ ایک لعنت ہے اور اس کے خلاف عوام الناس کو بغاوت کرنے کی تعلیم دینا عین خدمتِ دین ہے۔

عوام کی تربیت اور رائے عامہ کی رہنمائی کی یہ مہم کامیاب اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ جماعت اسلامی ملک کی صالح قوتوں کو پوری طرح بر سر عمل لا سکے۔ چنانچہ صالحیت و تقویٰ رکھنے والے خواص کو احساسِ فرض دلانے کے لئے جماعت ایک مستقل پیغام اپنے ساتھ رکھتی ہے:-

صالحین کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ "مطالبے" کی جدوجہد کے نتیجے میں جو قراردادِ مقاصد ہماری دستور ساز اسمبلی میں پاس ہو چکی ہے، اس نے دین و سیاست کی تفریق کے باطل نظریے کو یکسر ختم کر دیا ہے۔ اب یہاں دینداری کو مساجد اور مدارس کی نظر بندی سے نکل کر سیاست کے میدان میں وہ کام کرنا ہے جسے انبیاء و صلحاء نے ہر دور میں سر انجام دیا ہے۔ جس دین کی سرپرستی کے لئے وہ دین سے پھرے ہوئے اقتدار کے سامنے ناکام درخواستیں کرتے چلے آتے ہیں، اب وہ دین اپنے قیام کے لئے خود ان کی خدمات کا طلبگار ہے اور جس اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لئے وہ ریزولیوشن اور محضر نامے مرتب کرتے رہے ہیں، وہ اپنی عملی تاسیس کے لئے خود ان کو بلا رہا ہے — کیا وہ اب لبیک نہیں کہیں گے؟

یہاں اسلام سے وفاداری رکھنے والی طاقتوں کو اب ایک کھلا کھلا فیصلہ کن معرکہ درپیش ہے، بھلا فسق و صالحیت کی اس کشمکش میں کسی دیندار اور صالح شخصیت یا جماعت کا یہ مقام بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تماشائی بن کر کنارے بیٹھی رہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے آئندہ چند سالوں کے لئے اسلام کی طاقت پسپا ہو جائے؟

یہ تو نفیرِ عام کا وقت ہے اور اس گھڑی پر تو قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ انفروا خفافا وثقالا ——
یعنی سر و سامان کے ساتھ بھی اور بے سر و سامانی کے ساتھ بھی نکل کھڑے ہو۔ [illegible]

آپ کو خدا کے سامنے صالحین و متقین کی صف میں پیش کیا جا سکے گا؟ اس وقت صالحین کا ادائے فرض سے جی چرانا ایک افسوسناک بے حمیتی کی مثال ہو گا۔

صالحین ملک کو یہ بھی محسوس کر لینا چاہیئے کہ اب وہ غیر اسلامی دور ختم ہو چکا، جب کہ تقویٰ اور صالحیت کا مصرف اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ فسق و فجور کے ہاتھ اپنے آپ کو آلۂ کار بنا کر فروخت کرے، اور بندگانِ اغراض کی جنگِ اقتدار میں دینداری دو حصوں میں بٹ کر ادھر سے بھی اور اُدھر سے بھی آیات و احادیث کے مقدس اسلحہ کے ساتھ جانبازی کرتی نظر آئے۔ اب نیکی اگر کہیں موجود ہے، خدا پرستی کا وجود اگر باقی ہے، اخلاق اور تقویٰ کا جوہر اگر محفوظ ہے، خلوص اور راستی کی دولت بچی رہ گئی ہے، تو اس ساری قوتِ خیر کو معروف کے قائم کرنے اور منکر کے مٹانے کے لئے غیر اسلامی طاقتوں کے خلاف ایک مضبوط محاذ بنانا ہو گا۔

اس نازک گھڑی میں جماعت خدا کے نام پر صالحین سے یہ درخواست کرتی ہے کہ:۔

(۱) "تعاونوا علی البرّ والتقویٰ" کے اصول پر یہ فیصلہ کر لیجئے کہ آپ کو بہر حال صالحین کے ساتھ تعاون کرنا ہے اور ایک بڑے مقصد کے لئے تعاون کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے جزئی اختلاف کو درکنار رکھ دینا ہے۔

(۲) "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" کے اصول پر یہ بھی طے کر لیجئے کہ آپ کو زبان سے، مال سے، قلم سے، اعضا اور قوتوں سے کسی طرح کی کوئی مدد اثم و عدوان کی علامات رکھنے والوں کو بہم نہیں پہنچانی ہے۔ اور فسق و فجور کو مناصب کی طرف بڑھنے سے روکنا ہے۔ وہ وقت آ گیا ہے کہ پرانی عادت کے مطابق سیاسی بیوپاری جوڑ توڑ کرنے کے لئے آپ تک پہنچیں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے آپ کے پاس اب کورا جواب ہونا چاہیئے۔

(۳) آپ کو معلوم ہے کہ بدی سالہا سال سے منظم چلی آ رہی ہے، لیکن نیکی جس کا ایک بنیادی جزو خود نظم ہے، نہایت درجہ غیر منظم ہے، اور منتشر چلی آ رہی ہے۔ اب یہ انتشار مہلک ہو گا، لہٰذا آپ کو متفرق اصول و مقاصد کے گرد بہت سی ٹولیاں بنا کر کام کرنے کے بجائے اپنے آپ کو ایک محاذ پر مجتمع کر لینا چاہیئے۔ منظم ہونے میں یہ بات مانع نہیں ہے کہ تقسیمِ کار کے لئے کچھ دستے الگ الگ کام کریں لیکن یہ ضروری ہے کہ اصول و

مقصد کی وحدت اور ایک جامع پروگرام کا اشتراک کارفرما ہو۔

یہ بات بڑی ہی مضحکہ خیز ہوگی کہ صالحیت کی طاقتیں کئی جداگانہ مورچوں میں بٹی ہوئی ہوں اور اُن میں نہ وحدتِ مقصد ہو، نہ وحدتِ عمل، بلکہ اُن فسق کی متحد و منظم طاقتوں کی ٹکر لیتے ہوئے یہاں آپس میں دل پھٹے ہوئے اور دماغ دُور دور رہوں۔

(۴) یہ موقع اسلام اور غیر اسلام کی شکستؔ فتح کا موقع ہے، اس موقع پر اگر سیاسی گروہ بندیوں اور فقہی دھڑوں کے مفاد کو اہمیت دی گئی تو آپ کے اصل مقصد کو شدید نقصان پہنچے گا۔ یہ آپ کو معلوم ہے ہی کہ یہ طعنہ زبان زدِ عوام ہے کہ علماء و صالحین، اپنے فرقی اور فقہی اختلافات میں اس بری طرح مبتلا ہیں کہ وہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے متحد ہو ہی نہیں سکتے۔ اس طعنہ کی عملی تردید یا تصدیق کا ایک موقع آپ کو مل رہا ہے اس کو ضائع نہ کیجئے، ورنہ آپ کو دوبارہ مشکل ہی سے لوگ آزمانے پر تیار ہوں گے۔

اگر اس حقیقت کو آپ محسوس کرلیں تو براہ کرم جماعتی، گروہی اور فقہی بحثوں اور مناظروں کے دروازے بند کردیجئے اور اپنے اپنے حلقوں میں اختلافات کی برداشت کے لئے عالی ظرفی پیدا کرنے کی فکر کیجئے۔ نمازوں، دینی تقریبوں، جلسوں اور دوسری سرگرمیوں میں فرقہ وارانہ بنیادوں پر جو علیحدگی پسندی پائی جاتی ہے اُسے ختم کرنے کے لئے ربط و تعلق کی حدود کو وسیع کیجئے۔

(۵) اپنی پوری قوتوں کو انتخابات کے بارے میں عوام کی صحیح شرعی رہنمائی کرنے میں صرف کیجئے اور یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھیئے کہ آپ نے اگر کسی ووٹر کو غلط رہنمائی بہم پہنچائی تو آپ عنداللہ مجرم ہوں گے اور اگر کوئی فاسق و فاجر شخص آپ کی مدد سے یا آپ کی غفلت سے برسرِ اقتدار آگیا تو وہ اپنے اختیارات کو خدا و رسول کی جن جن نافرمانیوں میں استعمال کرے گا، اُن کے بارے میں آپ کو بھی ایک حصہ دار کی طرح خدا کے روبرو جوابدہی کرنی پڑیگی۔

جماعت اسلامی یہ یقین کرنے میں حق بجانب ہے کہ صالحین کو ان فرائض کا احساس دلانے کی ایک مخلصانہ جدوجہد یقیناً نتیجہ خیز ہوگی۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں صالحیتؔ تقوےٰ کی جتنی زیادہ سے زیادہ قوت یکجا سمٹ سکے گی اور ایک مشترک مقصد کے لئے منظم کام کرنے پر تیار ہوگی، اس کے ذریعے رائے عامہ کو اسلام کے حق میں ہموار کرنے کا کام تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔

انتخابات میں شریک ہونے کا پروگرام سامنے لاتے ہی جماعت اسلامی اپنا منشور پیش کر دینے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ اس سوال کا جواب دینا اب اس کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ آخر جماعت صالحین کو برسرِ اقتدار لا کر ان کے ذریعے کیا پروگرام عمل میں لانا چاہتی ہے اور کونسی تبدیلیاں موجودہ حالات میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔

یہ ظاہر بات ہے کہ جماعت اسلامی چونکہ ہوسِ اقتدار کی لعنت سے بچنا چاہتی ہے، اس لئے وہ اس معنی میں تو کوئی منشور نہیں دینا چاہتی جس معنی میں عام طور پر مغربی طرز کی سیاسی جماعتیں مینی فسٹو دیا کرتی ہیں۔ عام طور پر تو "مینی فسٹو" ووٹوں کی بھیک لینے کے لئے کاسۂ گدائی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن ہم اس "پیشے" کے جواز ہی کے قائل نہیں ہیں۔

ہم اگر اپنا منشور ملت کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں تو صرف اس لئے کہ اگر ملت کو تعمیر نظامِ اسلامی کے کام میں ہماری خدمات کی ضرورت پیش آئے تو اسے پہلے سے معلوم ہونا چاہیئے کہ جماعت اسلامی کا تعمیری پروگرام کیا ہے؟ وہ دستور سازی کے لئے، موجودہ نظم و نسق کی تبدیلی کے لئے، مختلف محکموں کے نظم کو اسلامی نہج پر ڈھالنے کے لئے، رشوت ستانی اور خیانت کے خاتمے کے لئے، تعلیمی اور عدالتی نظام کی تجدید کے لئے، مالیات کی نئی ترتیب کے لئے، اصولِ کفالت پر تنخواہوں اور معاوضوں کی نئی درجہ بندی کرنے کے لئے، مزدوروں اور مزارعین کو انصاف بہم پہنچانے کے لئے، مہاجرین کی فوری بحالی کے لئے، ماحول کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لئے اور ملک کو غیر ملکی استیلاء سے بچا کر ارتقاء دینے کے لئے کیا اسکیمیں اپنے سامنے رکھتی ہے۔ اس منشور کے ذریعے قوم کو جماعت کی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکے گا۔ علاوہ بریں اس منشور کی روشنی میں مختلف صالح عناصر پر یہ بات واضح ہو سکے گی کہ جماعت اسلامی سے ان کا تعاون کن بنیادوں پر ہو سکتا ہے۔

منشور کی ترتیب کا کام جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنی جس سب کمیٹی کے سپرد کیا ہے، وہ برابر اپنے کام میں مصروف ہے۔

یہ منشور قوم پر خود واضح کر دے گا کہ ایک ایسی طاقت میدان میں آ رہی ہے جو پرانی طاقتوں سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی، نیز عوام کو اس منشور کے ذریعے یہ اندازہ بھی از خود ہو جائے گا کہ اب کیا کام پیش نظر ہے اور اس کے لئے کیسے کارکن درکار ہیں۔

ان مختلف ذرائع تربیت کی مدد سے جہاں بھی جماعت اسلامی فضا کو ہموار کرسکے گی، وہاں اس کے کارکنوں کا کام یہ ہوگا کہ وہ محلوں اور بستیوں اور حلقہ ہائے انتخابات کے ان تمام باشعور صالحین کو ایک جگہ جمع کرکے بٹھائیں جن میں مومنانہ ذمہ داری کا احساس ابھر چکا ہو اور جو انتخاب میں اسلام کے اصولی تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا تہیہ کرچکے ہوں۔ ان اجتماعات میں کھلا سوال رکھنا پڑے گا کہ کسی محلے، بستی یا حلقۂ انتخاب میں اسلامی معیار کے مطابق منصب کے لئے اہل ترین فرد کونسا ہے؟

ایسی مجالس میں برادریوں کی عصبیتوں، خاندانی کشمکشوں اور پروپگنڈے کی سحر طرازیوں سے الگ ہوکر جب لوگ سنجیدہ غور و فکر کے لئے بیٹھیں گے اور اُن میں سے ہر شخص خدا کو حاضر ناظر جان کر علاقے کے کسی بہترین آدمی کی نشاندہی کرنے کی کوشش کرے گا، تو اس کی نگاہ معمولی لغزش تو کھا سکتی ہے، لیکن ایسی کھُلی ہوئی غلطی بہرحال نہیں کرسکتی کہ وہ کسی جانے بوجھے فاسق و فاجر شخص کو اسلامی نظام چلانے کے لئے منتخب کرے۔ پھر جن مختلف اشخاص کی نشاندہی کی جائے گی اُن کے متعلق پوری مجلس کو اسلامی معیار انتخاب کے ایک ایک پہلو سے تفصیلی غور کرنا ہوگا کہ کس کی حقیقت کیا ہے!

ان مجالس میں شرکت کرنے والے اپنی اپنی معلومات کے مطابق قابل غور اشخاص کی نشان دہی کریں گے، اور پھر ان کی ذہنیت، ان کے علم و بصیرت، ان کے سیرت و کردار کے متعلق تفصیل سے گفتگوئیں ہونگی، ان کی سابق کارگذاریوں کا جائزہ لیا جائے گا اور اس طرح کسی متفقہ نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جائیگی۔ یہ بھی کچھ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی نشست میں قطعی فیصلہ ہوجائے، بلکہ ابتدائی غور و فکر کے بعد لوگوں کو بار بار سر جوڑ کے بیٹھنا ہوگا، یہاں تک کہ سب کی نگاہیں کسی ایک صالح ترین فرد پر جم جائیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ ایک صحیح آدمی کو معلوم کرنا بڑا مشکل ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ لوگ اپنے ماحول کے بُرے اور بھلے لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اپنے آس پاس کے نمایاں افراد کے متعلق بالعموم بچے بچے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عادات و اطوار کیا ہیں، اس کی کمائی کس نوعیت کی ہے، اس کی معاشرت کیسی ہے، اس کا لین دین کس طرح کا ہے، اس کی دوستی اور دشمنی کن لوگوں سے ہے اور اس میں بھلائیاں کتنی ہیں اور بُرائیاں کیا کچھ ہیں۔ آخر لوگ جب گھر کے لئے ایک خادم، دکان کے لئے ایک محاسب،

مویشیوں کے لئے ایک چرواہا رکھتے ہیں تو اپنی ضرورت کا آدمی ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں، اور پھر لوگ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے جب رشتے کے ضرورت مند ہوتے ہیں تو اپنے معیار کے مطابق تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ملک کا انتظام اسلام کی اسکیم پر چلانے کے لئے ہی کام کے آدمیوں کو ڈھونڈ نکالنے میں ناکامی ہو۔

ان مجالس میں جماعت اسلامی کے کارکن اپنی معلومات بھی بہرحال پیش کریں گے اور کسی بہتر فرد کا تعارف کرانے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ یہاں تک کہ غور و فکر اور بحث و جرح کے بعد ایک علاقے کے صالحین اپنے طور پر جسے نامزد کر دیں گے، پھر ان کی ساری حمایت و تائید اسی کے لئے وقف ہو گی۔ وہ اگر عذر و انکار کرے گا تو اس کو مجبور کرنے کی کوشش کی جائے گی، اس کے پاس زرِ ضمانت نہیں ہو گا، تو زرِ ضمانت فراہم کرنا ہو گا، اس کے خلاف اگر جھوٹا پروپگنڈا کیا جائے گا تو اس کی روک تھام کرنی ہو گی، اس کے خلاف اگر برادریوں کے محاذ بنائے جائیں گے تو عوام کی مدد سے ان کو توڑنا ہو گا اور اس کے خلاف اگر کوئی دوسرا آدمی پہلے سے کھڑا ہو یا بعد میں امیدوار بن کے اٹھے تو اس کو نام واپس لینے پر مجبور کرنا ہو گا، اس کے مخالفین اگر باہر سے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو لے کے آئیں تو اس کو کورا جواب دینا ہو گا۔

اس طرح اگر ایک علاقے کے صالحین — علماء، ائمہ اور خطیب، ادیب اور اہل قلم، با اثر اور ذمہ دار اکابر — بالاتفاق کسی صالح آدمی کو اقتدار پر لانے کا تہیہ کر لیں اور عوام کی صحیح رہنمائی کے لئے متحدہ جدوجہد کریں تو بڑی سے بڑی جماعت ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے کے بعد بھی کسی غلط آدمی کو اس علاقے سے منتخب نہیں کرا سکتی۔

اس طرح کے مقامی اور علاقائی مشوروں کے نتیجے میں اگر کسی حلقے کے صالحین بالاتفاق جماعت اسلامی پر اظہارِ اعتماد کریں اور اس سے کسی صالح کارکن کے نامزد کرنے کا مطالبہ کریں تو جماعت بہرحال بصیرت و دیانت کے لحاظ سے بہترین کارکن فراہم کرنے کی کوشش کرے گی۔ لیکن جہاں جماعت کے لئے اپنے اندر سے کوئی آدمی پیش کرنا ممکن نہ ہو گا یا جہاں معیارِ مطلوب کے مطابق جماعت سے باہر کے کسی صالح اور اہل شخص

بقیہ صفحہ ۶۳ پر

اِسلام کی حکومت صالحہ اور اُس کی ذمّہ داریاں

جناب مولینا اسماعیل صاحب ۔ گوجرانوالہ

یہ مضمون مختصر اور جامع ہونے کی دوگونہ صفات کو بہم کرنے کی ایک بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ اس کے مطالعے سے شریعت اسلامیہ کے بعض ایسے سیاسی و معاشی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے جو عوام سے ہی نہیں، علماء حضرات کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہیں۔ قارئین یہ ملحوظ رکھیں کہ اس مضمون میں شریعت کی ترجمانی کرتے ہوئے جناب مؤلف نے پوری احتیاط برتی ہے اور مختلف مسائل کی دوطرفہ آخری سرحدوں کے نشانات متعیّن کرنے کی کوشش کی ہے کہ اِدھر یا اُدھر بڑھیں تو قدم کن حدود اللہ پر رُک جانے چاہئیں ۔ لہذا ان حدود کو پہچاننا ضروری ہے ۔ یہ مضمون ان لوگوں کی رہنمائی کے لئے نہیں لکھا گیا ہے جو اختتامی حدود سے آغازِ کار فرماتے ہیں ۔ یہاں خطاب محتاط و متقی افراد سے ہے !

جنابِ مؤلف نے یہ پُرمغز مضمون لکھ کر دراصل اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ انہوں نے موجودہ دور کے (اور خصوصاً پاکستان کے احوال کے) اُن تقاضوں کو محسوس کر لیا ہے جن کا تعلق حضرات علماء سے ہے ۔ خدا کرے کہ اس قابلِ تقلید مثال سے دوسرے اکابر علما میں بھی احساسِ ذمہ داری ابھرے ، اور وہ علمِ کلام اور فقہ کی جزئی بحثوں اور دینی مجالس کی رسمی مناظرہ آرائیوں کے مشاغل سے فارغ ہو کر بے دینی ، الحاد اور فسق و فجور کے خلاف ایک مشترکہ محاذ پر دین کی ٹھوس سیاسی اور معاشی اور اخلاقی فکر اور صالحیت و تقوٰے کے اسلحہ سے آراستہ ہو کر آ کھڑے ہوں۔ دورِ جدید کے انسان ساختہ سیاسی اور معاشی فلسفے اور نظام گونا گوں فتنوں کا طوفان مچاتے سارے کرۂ ارض پر دندنا رہے ہیں اور صرف ارضِ پاکستان ہی میں اس کا موقع ہے کہ دین کے علمبرداران فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو کے صف آرا ہو جائیں ۔ خدا تعالیٰ علمأ و صالحین کو اسکی توفیق دے کہ پیشِ نظر فکری ، اخلاقی اور سیاسی معرکہ میں اپنے فرائض سے صحیح طور پہ عہدہ برآ ہوں ۔

ورنہ ان کی کوتاہیوں سے اگر پاکستان کی تقدیر — اور اس کے ساتھ پوری نوعِ انسانی کی تقدیر — بگڑ گئی تو خدا کی عدالت میں ان سے آنے والی پوری تاریخ کے مفسدے کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

(ن۔ص)

انقلاب مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۴۹ء میں چند گذارشات شائع ہوئیں۔ جن میں شخصی ملکیت کے احترام کا تذکرہ تھا جسے اسلام نے اپنے نظامِ معاشرہ میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے آخر میں ان ممکن اصلاحات کا بھی مختصراً ذکر تھا جو مزدور یا کسان کے متعلق اسلامی نظام میں ہو سکتی ہیں۔ خیال تھا کہ یہ حصہ ذرا البسط سے لکھا جائے۔

مضمون کے شائع ہوتے ہی بعض حلقوں سے اس پر عامیانہ تنقید ہوئی جسے میری گذارشات سے چنداں تعلق نہ تھا۔ جو سوالات دریافت فرمائے گئے ان کا جواب گذارشات میں موجود تھا۔ اس پر توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مذاق و تمسخر بعض حلقوں کا مخصوص علم کلام ہے جس کی افادیت کا میں قائل نہیں۔

بعض حلقے غلبہ اور حق کو مرادف سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی اصطلاح میں ہر غالب مجتہد ہے اور امام وقت اور یہ بیٹے حق اور غلط نظریہ اگر غالب ہو جائے تو ان کی نظر میں وہ کتاب و سنت کا نعم البدل ہے۔ میری دانست میں یہ سب فریبِ نظر ہے، حق وہی ہے جسے عقلِ سلیم کی حمایت حاصل ہو اور کتاب و سنت کی تائید۔ عقلِ سلیم اور کتاب و سنت کا ماخذ ایک ہے:- هو الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان۔ میزان سے مراد عقلِ سلیم ہے۔

میں نے دوسری قسط کو ارادۃً ملتوی کر دیا تاکہ علمی اور دینی حلقوں میں اس کا ردِ عمل معلوم ہو جائے۔ اس عرصہ میں احباب سے تبادلۂ خیالات ہوتا رہا اور میں ان کے خیالات سے مستفید ہوا۔ اخبارات میں بھی بعض مضامین چھپے مگر بہت کم۔

آج کے مسائل | آج کے پیش آمدہ مسائل اور ان کی جزئیات ایسی تو ہیں نہیں کہ کوئی فقہ کی کتاب نکال کر فتویٰ لکھ دیا جائے اور اپنے مکتبِ فکر کے مویدین کو مطمئن کر دیا جائے، بلکہ ان جزئیات کے متعلق مروجہ فقہیں کافی حد تک خاموش ہیں، اس لئے رسول اللہ کی طرف رجوع کی ضرورت ہے جس کے لئے علم کے ساتھ دیانت اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔

فی الواقع یہ زندگی کے اہم مسائل ہیں جو نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ نہ ہی یہ مخصوص فقہی جزئیات ایسے ہیں کہ جن میں غلطی ہو جانے سے باقی نظام پر کوئی نمایاں اثر نہ ہو سکے۔ بلکہ یہاں تو ایک پورا نظام ہے جس کا مقابلہ پورے نظام سے ہے اور دونوں نظام بعض مقامات پر پوری طرح متصادم ہیں جن میں تطبیق ناممکن ہے،

جیسے جمع بین الضدین۔

اگر دیانت سے مزاج بالکل خالی نہ ہو تو ایک کیمونسٹ اور مسلمان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مشرک اور موحد میں، اندھیرے اور روشنی میں، گرمی اور سردی میں۔ ھل یستویان مثلاً؟

سرمایہ دارانہ نظام کا اثر پھر یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ صدیوں کی غیر شعوری سازگاری یا جبری تعاون کی وجہ سے اپنا مزاج کچھ اس قدر غیر معتدل ہو چکا ہے کہ دماغ کے وہ پرزے ہی زنگ آلود ہو چکے ہیں جو قدرت نے ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے ودیعت فرمائے تھے۔ دماغ کی پختگی مدتوں سے رخصت ہو چکی۔ عاقبت اندیشی اور پختہ خیالی کے دماغ عادی ہی نہیں رہے۔ ہیجانی تحریکات سے دماغ اتنی جلدی متاثر ہوتے ہیں کہ بعض اوقات اپنی تاریخ پر بدگمانی ہوتی ہے کہ ہم کبھی پختہ خیال تھے بھی؟ فروعی مسائل پر عرفی مناقشات کی طبیعت اس قدر عادی ہو چکی ہے کہ دانشمندانہ گفتگو کی عادت ہی نہیں رہی۔ اس وجہ سے جب مروجہ فقہی اور فروعی مذاہب سے بالا ہو کر براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کی ضرورت پیش آ جائے تو ہم اپنی تمام تر کوشش اور بیکار پلٹتے ہیں۔

انگریز نے سو سالہ عہدِ حکومت میں ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے، وہ یہ کہ اس نے ہم کو اپنے ملی علوم اور دینی معارف سے تہیدست کر دیا ہے، پورے معاشرہ پر جمود طاری ہو چکا ہے، ذاتی اور انفرادی مفاد کے لئے ہم لوگ وقف ہو چکے ہیں، اجتماعی اور قومی مسائل قابل توجہ ہی نہیں۔ اگر آپ اپنی سمجھ کے موافق کچھ کریں تو اس گنگوں اور بہروں کی بستی میں بہت کم کان ہوں گے جو آپ کی سنیں اور کم زبانیں ہوں گی جو آپ کی ہمنوا ہوں۔ تاہم مقامِ شکر ہے کہ کچھ اربابِ فکر ادائے فرض کے طور پر کچھ کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے ہمت پیدا ہوں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال کر دنیا کی قیادت کا فرض انجام دیں گے۔

موجودہ صورت حال یاس انگیز ہے۔ "قطب نما چوروں" نے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ذہن مسموم کر دیئے گئے ہیں۔ قوائے فکر میں تعطل پیدا کر دیا گیا ہے۔ زبانوں پر آرڈیننسوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ کعبہ کے پرستاروں کا رخ سیدھا لندن کی طرف کر دیا گیا ہے۔ کبھی کبھی اسلام کا نام اس انداز سے لے دیا جاتا ہے کہ بے چین اور مضطرب طبیعتیں بے داری سے آشنا نہ ہو سکیں۔ ہماری موجودہ قیادت نے

بظاہر ایسی کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی جس سے اسلام کی سربلندی کا کوئی شبہ بھی پیدا ہو سکے۔

آج کے مسائل کا حل کاشت کار اور مزدور کے مسائل کا حل اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں نے کیا ہے اور اسلام نے بھی ان مسائل کا حل فرمایا ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے حل میں تخریبی جراثیم نمایاں ہیں۔ سرمایہ داری ایک صدی کے بعد ایسے مقام پر آکھڑی ہوئی ہے کہ زندگی سے زیادہ اس کی موت کے آثار نمایاں ہیں۔ اس نے مزدور کو ایک ایسے انقلاب کے لئے تیار کر دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لئے لوٹ مار اور خونریزی، غرض ہر جرم کے لئے آمادہ ہے۔ سرمایہ داری نے بے آئینی کو آئین کی صورت دے کر صورتِ حال کو اتنا خراب کر دیا ہے کہ اصلاح کی کوئی تجویز بار آور نہ ہو سکے گی۔ یہ ساری صورتِ حال سرمایہ دار کی پیدا کردہ ہے۔ ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ ذالک بما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیرا۔

اشتراکیت نے اپنے حل کی بنیاد ہی غصب اور لوٹ پر رکھی ہے۔ اس نے اخلاق کی صنعتیں ہی بدل دی ہیں۔ دیانت کی اصطلاح ہی وہاں ناپید ہے۔ وہاں مذہب کی انفرادی آبرو بھی خطرے میں ہے۔ خدا کا نام اور ایمان کا تذکرہ اس کے پروگرام سے بالکل خارج ہے۔ اس کے قانون میں دولتمند کے لئے کوئی انصاف نہیں۔ وہ روٹی اور پیٹ کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو آج سے پہلے اخلاقی جرم تھا۔ وہ ایک جیب سے سرمایہ دوسری جیب میں منتقل کرے گا۔ اس کے قانون میں اپنے مخالف کے لئے کوئی لچک نہیں۔ اس کا نظام سراسر تخریبی ہے۔ وہ دوسرے کی دولت پر غیر آئینی قبضہ کو آئین تصور کرتا ہے۔ فرمایئے اس حل سے امن کی امید کیونکر رکھی جائے؟۔

اشتراکیت فسادات کے جلو میں بڑھ رہی ہے۔ اندرونی اور بیرونی فسادات ملک کے امن کو مخدوش کر رہے ہیں۔ سب بے فکرے دوسروں کی کمائی کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مختلف ممالک میں اشتراکیت کی ترقی کی رفتار اصحاب بصیرت کے سامنے ہے اور ان کا لائحہ عمل واضح۔ اس سے کسی امن پسندانہ حل کی امید محض سراب ہے۔ وہاں قوت ہی معیارِ فیصلہ ہے، جس کے پاس ہو!

اسلام کا حل اسلام نے اپنے نظام میں سرمایہ دار اور مزدور دونوں کے لئے حقوق متعین فرمائے ہیں اسی طرح زمیندار اور مزارعہ کو بھی باہمی معاہدہ کا اختیار دے کر ارشاد فرمایا المومنون علیٰ شروطہم مومن اپنی شرائط

کے پابند ہیں، جب تک وہ حق تلفی یا کسی حرام کے مرتکب نہ ہوں۔ میں نے یہاں سرمایہ دار کا لفظ عام عرف کے مطابق استعمال کیا ہے، ورنہ اسلام کی اصطلاح میں مسلمان سرمایہ دار ہو ہی نہیں سکتا۔ شرعاً سرمایہ دار وہ شخص ہے جو زکوٰۃ اور دیگر حقوق ادا نہ کرے۔ معلوم ہے کہ اسلام میں ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام کو نہ دولتمند سے دشمنی ہے، نہ فقیر سے محبت، نہ کسان سے بغض ہے، نہ زمیندار سے الفت، اس کے نظام میں ہر ایک کے حقوق اور حدود متعین ہیں۔ جو ان حدود کو توڑے گا اسلام کی نظر میں وہ قابل نفرت ہوگا۔ محض سرمایہ دار اور مزدور کے عنوان سے تو وہاں محبت ہے نہ بغض۔

اساسی نکات اسلام کے نظام میں حکومت کے بنیادی نکات پانچ ہیں:۔ (۱) انصاف (۲) شوریٰ (۳) انتخاب (۴) اخلاق و اعمال صالحہ (۵) عوام کی خدمت۔

انصاف ہر معاملہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس پر کسی بحث و استدلال کی ضرورت نہیں۔ شوریٰ اور انتخاب آج کے اہم مسائل میں سے ہیں۔ ان پر مفصل بحث کسی دوسری صحبت میں ہوگی۔ انشاءاللہ۔

اس وقت حکومت کے اخلاق و فرائض پر گفتگو کرنا پیش نظر ہے، تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں اس عہدہ کی حیثیت کیا ہے اور اس کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں!

حکومت اور حکام کا ذاتی کیریکٹر (۱) آیت استخلاف میں تمکن فی الارض اور خلافت کے بعد حکام اور عمال کے اخلاق اس طرح بیان ہوئے ہیں:۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاولٰئک هم الفاسقون۔ (۲)۔۔(۵) مشرک اور بے دین آدمی جو اعمال صالحہ سے عاری ہے اس نظام کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسلامی حکومت میں اسے کوئی کلیدی عہدہ سپرد کیا جا سکتا ہے۔ اگر فساق اور بدعمل لوگ اس مقدس مقام پر قابض ہو گئے ہوں تو نتیجہ یقینی ناکامی کی صورت میں ہوگا اور دنیا فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے گی۔

اذا کان الغراب دلیل قوم۔ سیہدیہم الی جیف الکلاب۔ دوسری آیت میں فرمایا الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبۃ الامور (۲۲-۴۱) اگر ان کو حکومت مل جائے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، دستور اور قانون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہاں عمال حکومت کے ذاتی اخلاق میں ان

چار چیزوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ آج ہماری قیادت میں، جیسے نااہل حضرات برسر اقتدار آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ آنحضرت کی اطاعت ساری خرابیوں کی بنیاد ہے۔ ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

ہرقل نے جب رومی فوجوں کی متواتر شکست اور پسپائی کے متعلق رپورٹ طلب کی تو ایک بوڑھے رومی نے ان الفاظ میں اسلامی لشکر کے اخلاق کا تذکرہ کیا:۔

"فقال شیخ من عظمائہم من اجل انہم یقومون اللیل ویصومون النہار ویوفون بالعہد ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویتناصفون بینہم ومن اجل انا نشرب الخمر ونزنی ونرکب الحرام وننقض العہد ونغصب ونظلم ونامر بالسخط وننہی عما یرضی اللہ ونفسد فی الارض فقال انت صدقتنی (البدایہ ۷-۱۵)

مسلمان رات کو قیام کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، وعدہ پورا کرتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں، بری باتوں سے روکتے ہیں اور باہم انصاف کرتے ہیں۔ اور ہم لوگ تمام معاملات ان کے الٹ کرتے ہیں۔ ہرقل نے اس کی تصدیق کی۔ جب ایک فوجی سپاہی کا یہ اخلاق ہو تو ارباب حل و عقد، وزراء اور ذمہ دار آدمیوں کا کیریکٹر تو اس سے کہیں بلند ہونا چاہیے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تقویٰ، عفت، عمل صالح ارباب حکومت کے لئے ضروری ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

حکومت اور حکام کی ذمہ داریاں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ "سید القوم خادمہم" قوم کے سردار کی حیثیت خادم کی ہے۔ ایک حدیث میں ہے "ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ یموت یوم یموت وہو غاش لہا الا حرم اللہ علیہ الجنۃ" (مسلم) اگر بادشاہ اپنی رعیت سے دھوکہ کرے تو جنت کی خوشبو اس پر حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے "احب الخلق الی اللہ امام عادل وابغضہم الی اللہ امام جائر" عادل بادشاہ اللہ کو بہت پسند ہے، ظالم بادشاہ سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہے۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں "[illegible] وانہا یوم القیامۃ خزی وندامۃ الا من اخذہا بحقہا وادی الذی علیہ فیہا" یعنی حکومت امانت ہے۔ اگر اس کا صحیح طور پر حق ادا کیا گیا تو قیامت کے دن [illegible] شرمندگی کا موجب ہوگی۔

[illegible] ہیں تو آپ نے [illegible] حضرت [illegible] ہو؟ لوگوں نے کہا [illegible] نہیں کہتے ابو عبیدہ

لئے کہا کہ ابو مسلم چوک رہے ہیں، اسے خوب سمجھتے ہیں، انہیں کہنے دو" ابو مسلم نے فرمایا "انما انت اجیر استاجرک رب ھذہ الغنم لرعایتہا فان ھنأت جرباھا وداویت مرضاھا وحبست اولاھا علی اخراھا وفاک سیدھا اجرک" تمہیں خدا نے بکریاں چرانے کے لئے مزدور رکھا ہے اگر تم ان کی صحت اور دوسری ضروریات کا خیال رکھو گے تو ان کا مالک (اللہ) تمہیں پوری مزدوری دے گا اگر تم نے یہ حقوق پورے نہ کئے تو تمہیں سزا ملے گی۔

اسلامی نظام کے مطابق حکومت اعزازی خدمت کا مقام ہے، یہ دولت کمانے اور ثروت کا ذریعہ نہیں۔ اس لئے مسلمان خلفاء کی زندگی فقیرانہ تھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے لڑکوں کو ان کی متروکہ جائداد سے پانچ پانچ روپیہ سے بھی کم ملا۔ حضرت عمرؓ کی اپنی زندگی بہت سادہ تھی، چادر پر چمڑے کے کئی کئی پیوند لگاتے تھے۔ اسلام میں یہ ذمہ داری وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اپنی زندگی مشکلات کے حوالہ کر دیتے اور عوام کے لئے آسانیاں مہیا کرتے ہیں، اس لئے وہاں خیانت، رشوت اور کنبہ پروری کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی اخلاق کی موت نے تباہی بپا کر دی ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:-

"قال اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال یا رسول اللہ وما اضاعتہا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ" (بخاری) جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا جب حکومتوں کے ذمہ دار نا اہل لوگ قرار پانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ لہٰذا نالائق قیادت، اور نا اہل عمال حکومت فی الحقیقت دنیا میں قیامت بپا کر دیتے ہیں۔ مشرقی پنجاب کے مظالم اور مغربی پنجاب کے لرزہ خیز حوادث کی تہہ میں لیڈروں اور ذمہ دار افسروں کی نا اہلیت کے سوا آخر کیا سبب کام کر رہا تھا؟ اول تو انتقال آبادی کا فتنہ خود اکابر کی نالائقی کا نتیجہ تھا، اور اگر یہ ناگزیر تھا تو اسے پُر امن طریق سے کیا جا سکتا تھا، مگر لوٹ کے خواہشمند امن کی آرزو کیوں کرتے؟

حکام کے اخراجات و طریق معیشت

اسلامی حکومت کے متعلق جو کچھ پہلے ذکر ہوا، اس کی تائید ان اخراجات سے ہوتی ہے جو بجٹ میں خلیفہ کے لئے طے پاتے۔ فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ بیت المال میں خلیفہ کا صرف اتنا حق ہے کہ گرمی اور سردی کے لئے دو چادریں لے لے اور ایک متوسط الحال آدمی کے برابر

اپنے کنبہ اور عیال کا خرچ اسے دے دیا جائے، اس کے علاوہ وہ باقی مسلمانوں کے برابر ہے۔ عہدہ داروں تک عہد لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرنا، میدہ اور چپاتی نہ کھانا اور حاجتمندوں پر اپنے دروازے بند نہ کرنا

امیر معاویہ کا قول ہے: "ابوبکر لم یرد الدنیا ولم تردہ واما عمر فارادتہ ولم یردھا واما نحن فتمرغنا فیہا ظہراً لبطن" (البدایہ) ابوبکرؓ نہ دنیا چاہتے تھے اور نہ دنیا نے انہیں چاہا، عمرؓ کو دنیا نے پسند کیا لیکن عمرؓ نے دنیا کو ناپسند کر دیا، ہم تو دنیا میں لت پت ہو گئے۔ استغنا کی یہ کیفیت ہے جو اسلامی حکومت کے لئے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور کتنا جامع تجزیہ ہے جو دونوں خلفاء کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

احساس ذمہ داری اور جذبہ خدمت | حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "لو ان جملاً ھلک بشط الفرات لخشیت ان یسئل اللہ عنہ ابن الخطاب" اگر فرات کے کنارے پر اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ عمرؓ کو اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ ایک رات ایک مکان میں تشریف لے گئے، مجھے بدگمانی ہوئی میں صبح اس مکان میں گیا وہاں ایک اندھی بوڑھی بے دست و پا عورت رہتی تھی، میں نے اس سے پوچھا تمہارے پاس رات کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا یہ شخص مدت سے رات کو آتا ہے، میرا سامان سلیقہ سے رکھ جاتا ہے، مکان صاف کر کے کوڑا باہر ڈال جاتا ہے، طلحہ فرماتے ہیں، میں بہت شرمندہ ہوا کہ میں عمرؓ کے عیب تلاش کرتا ہوں؟

ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کے اطراف میں دوڑ رہے تھے، حضرت علیؓ نے وجہ دریافت کی، فرمایا بیت المال کے کچھ اونٹ گم ہو گئے ان کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر نکالا، اس کی بیوہ اور کنواریوں کے نام درج تھے، خلیفہ نے ہر ایک کا وظیفہ اس کے ہاتھ میں دیا۔ فرمایا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ہر علاقہ کا دورہ خود کروں اور مصیبت زدہ لوگوں کی شکایات خود سنوں۔ مجھے گمان ہے کہ حکام تساہل کرتے ہیں اور شکایات مجھ تک نہیں پہنچاتے۔

اسی فرض شناسی اور رعایا پروری کا یہ اثر تھا کہ لوگ حضرت عمرؓ سے بہت ڈرتے تھے "لم یکن معہ یحتمل الا الدرۃ وھی عصا صغیرۃ کالمخصرۃ کانت دائما فی یدہ اذا سار وکان الناس یھابونھا اکثر مما تخیفھم السیوف القاطعۃ (محاضرات ۲-۲۲) حضرت عمرؓ کا دُرّہ ایک چھوٹی سی چھڑی تھی جو آپ کے

ہاتھ میں ہوتی۔ لوگوں پر اس کی ہیبت تلوار سے بھی زیادہ تھی۔ یہ فرض شناسی کا لازمی اثر ہے۔ غیر ذمہ دار حکومت اپنا وقار بہت جلد کھو بیٹھتی ہے۔

حکومت کا قرض جب حکومت کی مالی حالت اچھی ہوگئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا "من ترک مالا فھو لورثتہ و من ترک کلا او ضیاعا فھو علی والی" (ابوداؤد) میت کا مال متروکہ ورثاء کا حق ہے۔ قرض اور چھوٹے بچے حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ یعنی غیر مستطیع اور نادار آدمیوں کا قرض حکومت ادا کرے گی اور چھوٹے بچوں کی تربیت بھی حکومت کے ذمہ ہوگی۔ فضل بن عباس اور ان کے ایک رفیق آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمیں نکاح کی ضرورت ہے، اس لئے آپ ہمیں کام پر لگا دیجئے ہم بیکار ہیں۔ آنحضرتؐ نے نکاح کا انتظام کر دیا اور کام کے متعلق مفید مشورے دیئے (مسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانوں کی متاہل زندگی میں بھی حکومت کی ذمہ داری ہے، اور کام مہیا کرنا بھی حکومت کے ذمہ تھا اسی لئے صحابہ ایسے معاملات میں آنحضرتؐ اور خلفاء کی طرف رجوع کرتے تھے۔

قومی ملکیت کا مسئلہ کارخانوں اور زمینوں اور اہم صنعتوں کو قومی ملکیت قرار دینے کا مسئلہ آج کل ہمارے جرائد کا خوش کن موضوع ہے۔ ارباب اقتدار، اصحاب جرائد، علماء اور عوام عموماً اشتراکی نظریہ سے کچھ نہ کچھ متاثر ہیں۔ کارخانہ داروں اور زمینداروں کی بدمعاملگی بھی عوام میں انتقامی صورت اختیار کر رہی ہے، اس لئے قومی ملکیت کے جواز کی کوشش اور رجحانات عام ہو رہے ہیں۔ بعض حضرات نصوص شرعیہ سے اسے کشید کرنے کی سعی فرما رہے ہیں۔ چونکہ مجوزین کی طرف سے اس کے متعلق کوئی مکمل اور تفصیلی لائحہ عمل پیش نہیں کیا گیا، اس لئے شرعی طور پر اس کے متعلق علی وجہ البصیرت کچھ کہنا مشکل ہے۔

آج کل اخبارات میں مسلم لیگ کی زمینداری اصلاح کمیٹی کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، وہ بھی مجمل، بلکہ مبہم ہے، اس لئے اس کے متعلق تفصیلاً سردست کچھ کہنا مشکل اور قبل از وقت ہے۔ البتہ اسلامی تعلیمات پر نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کی قومی ملکیت کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ جائز اور صحیح طریق پر جو زمین خریدی گئی ہو اور جو کارخانے صحیح شرعی شرائط کے مطابق اپنے ذاتی اموال سے قائم کئے گئے ہوں، انہیں جبراً بالعوض یا بلا عوض حکومت اپنے قبضہ میں نہیں کر سکتی۔

ایک ظالم زمیندار کو حکومت سزا دے سکتی ہے، کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے، بلکہ اس کا فرض ہے کہ انہیں ظلم سے بچائے۔ ان کے حقوق کی تعیین اور تحصیل میں ان کی پوری مدد ہونی چاہیئے، اسی طرح کارخانہ دار اگر مزدور پر ظلم کرتا ہے تو حکومت کو اس میں مداخلت کر کے مزدور کی حفاظت کرنا چاہیئے، لیکن حفاظت کا یہ طریق کہ کسی ملک کو اصل مالک سے چھین کر حکومت اسے اپنی ملکیت میں لے لے، یہ ظلم ہے۔ اگر مزدور اور کسان پر ظلم ناجائز ہے تو زمیندار اور کارخانہ دار پر ظلم کیوں جائز ہے؟

یہ صحیح ہے کہ کارخانہ دار اور زمیندار اپنی دولت کے سہارے پر زنا بالجبر اور اغوا اور عیاشی اور قتل ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ جرائم ہیں جن کا انسداد حکومت پر فرض ہے، لیکن یہ چیزیں دوسرے ظلم کے لئے بہانہ نہیں بن سکتیں۔ یہ میری رائے ہے، علماء اور سیاسیین کا فرض ہے کہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کریں، اندھا دھند عوام اور اشتراکی عناصر کی تقلید سے بچیں۔ ان مسائل میں دور اندیشی اور عاقبت بینی سے سوچنا چاہیئے۔

جو جاگیریں ناجائز خدمات کے صلہ میں حاصل کی گئی ہیں انہیں توڑا جا سکتا ہے۔ جو جائدادیں جھوٹے مقدمات کی بدولت پیدا کی گئی ہیں، وہ حقداروں کو واپس ملنی چاہئیں۔ جن زمینداروں نے انگریزی قانون کے سہارے پر لڑکیوں کو حصے نہیں دیا ان کی زمینیں شرعی قانون کے مطابق تقسیم ہونی چاہئیں لیکن جائز ملکیتوں کو محض قوت کے سہارے پر جبراً خریدنے کی کوشش کرنا شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔

جس قسم کی حکومتیں پاکستان اور ہندوستان میں اس وقت برسرِ اقتدار ہیں، دو سال کے طرزِ حکومت سے انہوں نے جس اہلیت کا ثبوت دیا، الاٹمنٹوں میں جس انصاف پسندی کا مظاہرہ ہوا ہے، کنبہ پروری اور دوست نوازی کی جس طرح داد دی گئی ہے، مہاجر کیمپوں میں عصمت دری کا ارتکاب جس جرأت اور دلیری سے کیا گیا ہے، اس کے پیشِ نظر کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ اب قومی ملکیت میں لئے ہوئے املاک کی افادیت مستحقوں کو مل سکیگی اور ان میں ویسے ہی جرائم کا ارتکاب نہیں ہوگا جن کی طبائع برسوں سے عادی ہو چکی ہیں۔ فرض کیجئے کہ آج جو لوگ برسرِ اقتدار ہیں وہ فرشتہ سیرت ہیں، ان پر ہمیں اعتماد ہے، وہ املاک کی تقسیم اور ان کے اخذ میں حدودِ انصاف اور قوانینِ شریعت سے سرمو تجاوز نہیں کریں گے، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل ان کی جگہ شیاطین مسلط نہ ہو جائیں گے جن کا آئینِ حکومت ظلم و عدوان ہو، غصب و انتہاب ہو۔ اگر غصب اور لوٹ کو یہ آئینی صورت دے دی گئی تو آج کے کریں نہ کریں، اگر قوت حاصل کر لیں گے تو اس لوٹ کی واپسی یا نئی لوٹ کے لئے

وہ اداکیں بنائیں گے، اس لئے اس رسیم ظلم کا تجربہ صرف روس تک محدود رہنا چاہیئے۔

حکومت کی ملکیت | اسلامی آئین کے مطابق حکومت کی ملکیت میں تین قسم کے اموال ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "الاموال السلطانیہ التی اصلھا فی الکتاب والسنۃ ثلاثۃ اصناف الغنیمۃ، والصدقۃ والفئ" الخ (السیاست الشرعیہ-۴)، حکومت کی ملکیت تین قسم کے مال ہیں:۔ غنیمت[۱]، صدقات[۲] اور فئی[۳] شیخ الاسلام نے تینوں اقسام پر کسی قدر تفصیلاً بحث فرمائی ہے۔ حکومت کا حق ہے کہ ان اموال کو مستحقین کی رفاہیت اور خوشحالی میں خرچ کرے۔ اس کے علاوہ بھی بعض اور اموال بیت المال میں آسکتے ہیں اور حکومت انہیں عوام کے مفاد میں خرچ کر سکتی ہے۔ عوام کی خیر خواہی اگر پیش نظر ہو تو رعیت سے غصب کرنے کے بجائے حکومت کے عمال اپنے مصارف پر بھی اگر نظر ثانی کریں تو عوام کے لئے بہت کچھ بچ سکتا ہے۔ ہزاروں روپے تنخواہیں اور لاکھوں روپے ٹی اے میں وصول کرنا اسلامی طریق حکومت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ خدمت کے لئے ایک اعزازی عہدہ ہے، اسے اسلام نے کمائی اور ثروت کا ذریعہ نہیں بنایا، نہ ہی یہ ضروری ہے کہ حکومت لوگوں کی جائیدادوں پہ خود قابض ہو۔

حکومت کا تصرف | ملکیت کی شرعی صورت تو یہی ہے جو مذکور ہوئی، البتہ حکومت کے تصرفات اور اختیارات اسلامی نظام میں بہت وسیع ہیں۔ اگر ارباب اقتدار تقوے اور نیک دلی سے کوشش کریں تو عوام کی رفاہیت کے لئے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ غربا کو جاگیریں دے سکتی ہے اور بوقت ضرورت انہیں واپس لے سکتی ہے۔

آنحضرتؐ نے بلال بن حارث کو مقام قبلیہ (مدینہ سے پانچ میل) کی زرعی زمین عطا فرمائی۔ ابیض بن حمال کو نمک کی کان بخشی۔ پیلو کے درختوں کا جو حصہ اونٹوں کے سر تک اونچا ہو وہ ان کو بطور حمی عنایت کر دیا۔ حضرت زبیر کو بہت سی زمین بطور جاگیر عطا فرمائی۔ عمر ابن حریث کو مدینہ میں رہائشی مکان دیا۔ وائل بن حجر زمین کا شہزادی کو حضرموت میں جاگیر عطا فرمائی اور یہ کام حضرت معاویہ کے سپرد کیا۔ عبدالرحمان بن عوفؓ اور حضرت عمرؓ کو زمین عنایت فرمائی۔ انصار کو فرمایا بحرین میں زمین لے لیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی جاگیریں تھیں جو حسن کار کے صلہ میں عطا فرمائیں۔ ایسے عطیوں سے ایک صالح حکومت مستحقین کی مدد کر سکتی ہے۔

جاگیروں کی واپسی کا حق | حکومت کو حق ہے کہ ایسے عطیئے بوقت ضرورت واپس لے لے۔ ابو عبیدہ

کو آنحضرت نے فرمایا کہ نمک اور پانی کسی کی ملکیت نہیں، یہ سب کا مشترک مال ہے۔ ابیض بن حمال سے نمک کی کان واپس فرمائی کیونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ اس سے عوام کو نقصان ہوگا۔

علامہ شوکانی نے حافظ سبکی سے نقل فرمایا ہے "والذی یظہر انہ یحصل للمقطع بہ الملک اختصاص کاختصاص المتحجر ولکنہ لا یملک الرقبۃ بہ الملک" (نیل الاوطار ۶-۵۷) جاگیر دار کو جاگیر سے کچھ خصوصیت ضرور ہو جاتی ہے، لیکن وہ مالک نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں اہل علم کی رائے مختلف ہے، ایک گروہ کی یہ رائے ہے جس کا ذکر علامہ شوکانی نے فرمایا کہ جاگیر دراصل ملک ہوتی ہی نہیں، اس لئے حکومت اسے جب چاہے ضبط کر سکتی ہے، اور جاگیر دار بے دخل ہو سکتا ہے۔

شخصی ملکیت میں مداخلت حضرت خالد بن ولید نے قنسرین سے رومیوں پر حملہ کیا، بہت سا مال غنیمت لائے۔ اشعث بن قیس کو اس سے دس ہزار روپیہ دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد کو طلب فرمایا۔ جب خالد آئے تو انہیں دیکھ کر فرمایا۔

صنعت ولم یصنع کصنعک صانع   وما یصنع الا قوام فاللہ صانع

تم نے وہ کام کیا جو دوسرا کوئی نہ کر سکا، قومیں جو کرتی ہیں وہ خدائے عز وجل ہی کا کام ہے۔

پھر فرمایا تم اتنا روپیہ کہاں سے دیتے ہو؟ فرمایا اموال غنیمت میں سے! پھر حضرت خالد کی ذاتی ملکیت کا اندازہ فرمایا اور اس میں سے بیس ہزار روپیہ ضبط فرما لیا اور فرمایا "واللہ انک لعلی کریم وانک الی حبیب" خدا کی قسم تم میرے نزدیک بہت معزز ہو اور تم سے مجھے محبت ہے۔ پھر انہیں قنسرین سے واپس بلا لیا کیونکہ حضرت خالد اموال کی تقسیم میں غیر محتاط تھے۔

ملکیت پر سزا کے طور پر قبضہ خیبر کے اطراف میں یہود کی بہت بڑی زمینداریاں تھیں، ساہوکارہ اور تجارت پر بھی وہ قابض تھے، آنحضرت نے ان سے معاہدہ فرمایا جس کا تذکرہ الاموال (۲۰۲) میں ہے یہودی شرارتیں کرتے رہتے تھے، ان عہد شکنیوں کی وجہ سے آنحضرت نے بعض کو خارج البلد کیا اور ان کے املاک اور جائداد پر قبضہ فرمایا۔ بالآخر حضرت عمر نے ان سب کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مالک حقوق ملکیت کا غلط استعمال کرے اس کا مال عوام کے لئے مسلسل اذیت کا موجب ہو تو حکومت

عامہ اسے حقوق ملکیت سے محروم کر سکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کا ایک درخت دوسرے کی زمین میں تھا جس سے مالک زمین کو نقصان ہوتا تھا، اُس نے آنحضرت سے شکایت کی، آنحضرت نے فرمایا درخت کا معاوضہ لے لو، اُس نے انکار کیا، آنحضرت نے فرمایا تبرعاً اسے چھوڑ دو، اس نے نہ مانا، آنحضرت نے اسے اکھاڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا تم موذی ہو۔ (ابوداؤد وغیرہ) ایسے حالات میں مالک کو بیع پر مجبور کرنا درست ہے، ورنہ کسی ملک کو تلف کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کو یہ دونوں اختیار شرعاً حاصل ہیں، کیونکہ مالک نے خود اپنی ملکیت کا احترام نہیں کیا۔ (الحسبہ ۲۶)

اسی طرح ظالم خاوند سے خلاصی کے لئے شریعت نے فسخ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب کوئی شخص اپنے حقوق کا غلط استعمال کرے گا تو حکومت کو حق ہے کہ وہ ان حقوق کو ضبط کر لے۔ خاوند کی ظالمانہ برتری کو بذریعہ فسخ ختم فرما دیا گیا۔ لا تظلمون ولا تظلمون!

حکومت اور تحفظ اخلاق عوام کے اخلاق کی حفاظت دینی حکومت کا بنیادی فرض ہے۔ تخریب اخلاق کی تمام راہیں بند ہو جانی چاہئیں۔ اسلام نے مال اور تجارت وغیرہ پر اخلاقی دولت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اخلاقی انحطاط کے بعد ملک کی دولت و ثروت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خالدؓ نے اطلاع دی کہ وہاں کسی شخص کو لواطت کی عادت بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے جلانے پر زور دیا، حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو لکھا کہ اسے جلا دو، عبداللہ بن زبیر اور ہشام بن عبدالملک نے اس فعل کے مجرم کو جلانے سے اتفاق فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے شراب کی دکان جلا دی۔ ایک بستی میں شراب بکتی تھی، اسے بھی جلا دیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ اپنے محل میں رہنے لگے، رعیت کو ان سے ملنے میں حجاب ہونے لگا، وہ شکایات لے کر آزادی سے ان کو نہ مل سکتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کا محل جلا دیا اور یہ کام محمد بن مسلمہ کے سپرد فرمایا۔ نصر بن حجاج کی خوبصورتی کی وجہ سے عورتیں فریفتہ ہو جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اسے جلاوطن کر دیا۔ شراب پر شرعی حد تو تھی، لیکن بعض اوقات اس جرم میں قتل تک کی اجازت دی۔ یہ سب کچھ اخلاق کی حفاظت کے لئے تھا۔ آج کا سینما ترقی کا نشان سمجھا جاتا ہے،

حالانکہ اس کی موجودہ صورت اخلاقی خرابیوں کی جڑ ہے۔

لٹریچر کی ضبطی حضرت عمرؓ نے صحابہ کو کثرت روایت سے روک دیا تاکہ آنحضرتؐ کی طرف کوئی جھوٹ منسوب نہ ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو تورات پڑھنے سے روک دیا، تاکہ طبیعت میں اسلام کے ابتدائی دور میں شبہات نہ پیدا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے "مصحف الامام" کی اشاعت کے بعد قرآن کے غیر مستند نسخے جلانے کا حکم دیا، تاکہ قرآن کی صحت میں شبہ نہ پیدا ہو۔ حکومت کا فرض ہے کہ ایسے تمام لٹریچر کو ضبط کرے یا جلا دے جس سے اعتقاد خراب ہو یا اخلاق پر برا اثر پڑے۔

حکومت اور اجتہاد حافظ ابن جریر کا خیال ہے کہ اجتہاد کا حق صرف قاضی کو ہے۔ یہ حصر تو شاید مسلّم نہ ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ امیر اور حاکم کو بعض مسائل کے متعلق مصالح شرعیہ کی بنا پر مخصوص اجتہاد کا حق ہے۔ وہ کتاب و سنت کے دلائل کی بنا پر عام علماء کی رائے کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔ یکدفعہ تین طلاق آنحضرتؐ کے زمانہ خیر سے لے کر حضرت عمرؓ کی خلافت تک ایک ہی شمار ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے وقتی مصالح کی بنا پر انہیں تین ہی نافذ فرمایا (صحیح مسلم)۔ عیسائی عورتوں کا نکاح مسلم سے جائز تھا، روم کی فتوحات میں مسلمان فوجی رومی عورتوں سے بکثرت نکاح کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے اسے حکماً رد کر دیا اور فرمایا کہ عیسائی عورتیں جب اکثر مسلمان گھروں میں آباد ہو جائیں گی تو مسلمان عورتیں کیا کریں گی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک رسالہ مذہب عمرؓ کے نام سے لکھا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات جمع فرمائے ہیں، جس سے حکومت کی اجتہادی وسعت کا علم ہوتا ہے۔

وقف میں تصرف وقف کی شرعی حیثیت معلوم ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اس مسئلہ میں احتیاط اہل علم سے مخفی نہیں، وہ وقف میں تبدیلی جائز نہیں سمجھتے۔ امام احمد کا مسلک ہے کہ اگر وقف کی نسبت اور واقف کے مقصد کو تبدیلی سے فائدہ ہو تو بدلنا درست ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ذکر فرمایا ہے جس سے امام احمد کی تائید ہوتی ہے قد جوز احمد ابدال المسجد بمسجد لمصلحة كما جوز تغييره للمصلحة واحتج بان عمر بن الخطاب ابدل مسجد الكوفة القديم بمسجد آخر وصنع المسجد الاول سوقاً للتمارين (فتاوی ابن تیمیہ ۳-۳۸۰) امام احمد مسجد کو دوسری عمارت یا جگہ سے بدلنا جائز

سمجھتے ہیں جس طرح مصالح کی بنا پر اس کے اندر تبدیلی کرنا درست ہے۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ کی پرانی مسجد کو دوسری مسجد سے بدلوایا، پہلی مسجد شارعِ عام اور بازار بن گئی۔ وقف کے مسائل شیخ الاسلام نے فتاوی کی دوسری جلد صفحہ ۲۱۶ میں کسی قدر بسط سے لکھے ہیں۔ علی الطالب ان یرجع الیہ!

حکومت اور جرمانے امر بالمعروف حکومت کا فرض ہے۔ اس ذمہ داری کو حکومت نظر انداز نہیں کر سکتی۔ امت اسلامیہ کی بعثت کا یہی مقصد ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الخ۔ اسلامی حکومتوں میں اسی مطلب کے لئے ایک مستقل وزارت تھی جسے ولایۃ الحسبہ کہتے تھے اور ممالک مغرب میں اس کا نام ولایۃ الحساب تھا۔ اس کا دائرہ عمل بہت وسیع تھا چند خاص سزاؤں کے سوا باقی تمام تعزیرات کا تعلق اسی وزارت سے تھا۔ اسی طرح مالی سزاؤں اور جرمانوں کا اختیار بھی حکومت کو حاصل ہے۔ آنحضرت نے فرمایا میرا خیال ہے کہ جو لوگ جمعہ اور جماعت بلاوجہ ترک کر دیتے ہیں ان کے مکان جلا دوں۔ رویشد نامی ایک شخص شراب کی دکان کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کی دکان کو جلا دیا اور فرمایا تم فویسق ہو۔ حضرت علیؓ نے ایک بستی جلا دی جس میں شراب بکتی تھی۔ یہود کا باغ بویرہ نامی آنحضرت نے جلا دیا۔ حضرت زبیرؓ ریشم کی قمیص پہنے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے اسے پھاڑ دیا۔ ایک شخص دودھ میں پانی ملا کر بیچ رہا تھا حضرت عمرؓ نے اس کا دودھ گرا دیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ مال تلف کرنے کی بجائے اگر اسے صدقہ کر دے تو زیادہ اچھا ہے۔ مالک کو سزا ہو گی اور مسکین کو فائدہ۔ اگر تہبند ٹخنوں سے نیچے ہوتا تو بعض صحابہ نچلے حصہ کو پھاڑ ڈالتے یہ تمام سزائیں جن کی شرعاً اجازت ہے اس کی اور بھی بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ حکومت ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اس سے بھی مساکین کو فائدہ مل سکتا ہے۔

بدنی سزا حکومت بدنی سزا بھی دے سکتی ہے۔ امر بالمعروف میں بعض دفعہ بدنی سزا کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں، بعض جرائم پر حدیں مقرر ہیں، حکومت اس میں کمی بیشی تو نہیں کر سکتی، لیکن وقت اور ظرف کا خیال رکھنا حکومت کا فرض ہے۔ میدان کارزار میں عموماً ایسی سزائیں نہیں دی جاتیں۔ جن جرائم میں سزائیں مقرر نہیں ان میں جرم، مجرم، وقت، حالات، کیفیت جرم ملاحظہ کرنے کے بعد حکومت کو حق ہے کہ سزا کی مقدار متعین کرے۔ موالک کا مسلک اس معاملہ میں بہت وسیع ہے، وہ تعزیر میں موت تک

کی سزا جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک اس میں محتاط ہے۔ شراب کی سزا معین نہ تھی، صحابہ نے بعض مصالح کی بنا پر اسے دگنا کر دیا۔ ایک عورت اور مرد ایک لحاف میں سو رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے انہیں سو سو دُرّے لگوائے۔ ایک شخص نے بیت المال کی مُہر بنوا کر بیت المال سے روپیہ نکلوا لیا، اُسے متواتر تین دن تک سو سو دُرّے لگتے رہے۔ اگر امت کے ارباب حل وعقد کے منتخب کردہ امیر کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امارت کی بیعت لے تو دوسرے کو قتل کا حکم دیا تاکہ امت میں تفرقہ نہ ہو۔ اس قسم کے وسیع اختیارات حکومت کو حاصل ہیں جس سے شر کو دبایا جا سکتا ہے۔ اگر سرمایہ دار عیاشیوں کا مرتکب ہو تو حکومت صالحہ ان اختیارات کی بدولت اس بدمعاشی کو روک سکتی ہے۔ لیکن ارباب حکومت خود ہی ان عیوب میں مبتلا ہوں تو "کفر از کعبہ" کا کوئی علاج نہیں۔

واضح رہے کہ ان سزاؤں میں ذاتی انتقام اور محض رعب جمانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے بعض عمال سے فرمایا "متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا" جب لوگ پیدائشی طور پر آزاد ہیں تو تم انہیں غلام کیوں بناتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا "والله ما ارسل عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیاخذوا اموالکم ولکن ارسلهم لیعلموکم دینکم وسنتکم فمن فعل سوی ذالک فلیرفعه الی فوالذی نفس عمر بیده لاقصنه منه" (محاضرات ۲ - ۱۸) سرکاری کارکنوں کو یہ حق نہیں کہ وہ بلا وجہ بدنی سزا دیں، ان کا ذمہ یہ ہے کہ وہ عوام میں دین کی اشاعت کریں۔ اگر کوئی بلا وجہ سزا دے گا، میں اس سے قصاص لوں گا (چنانچہ حضرت عمرؓ نے حج کے موقع پر اپنے ایک عامل سے ایک شہری کو کوڑوں کا قصاص لینے کا حق دیا)۔

[تجارت کی آزادی اور کنٹرول] اسلام کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجارت آزاد ہو۔ حکومت اس میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ تاجر مال کی درآمد برآمد بلا خوف کر سکیں، حمل ونقل میں حکومت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو، اس میں رشوت، تحفے اور ڈالیوں کا سلسلہ قطعی بند ہو، کیونکہ اس کا بوجھ آخرکار عام خریداروں پر آپڑے گا۔ جرم کوئی کریگا اور جرمانہ کسی کو دینا ہوگا۔ اس لئے حکومت کو اس معاملہ میں پوری ہوشمندی سے عمال کا احتساب کرنا چاہئیے تاکہ تجارت پوری طرح آزاد رہے۔ تاجر ملک میں ریڑھ کی ہڈی ہے اسے ہر آنچ سے بچانا چاہئیے۔

تاجر کا فرض ہے کہ وہ تجارت تمدنی نقطۂ نظر سے کرے اور اسے ملک کی خدمت سمجھے۔ احتکار، اکتناز، دھوکہ بازی اور ناجائز منافع اندوزی سے بچے اور سچ بولنے کی کوشش کرے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے "التاجر الصدوق الامین مع السفرۃ الکرام البررۃ" سچا تاجر فرشتوں کا رفیق اور ساتھی ہے۔ لیکن اگر تاجر اپنے اس مقام کی تقدیس کو نہ سمجھے، وہ فرشتوں کی بجائے شیطان کی عادتیں اختیار کرے، اس مقدس پیشہ کو دھوکے اور بے ایمانی جھوٹ اور تطفیف سے گندہ کرے تو حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اس میں مداخلت کرے اور عوام کو اس کے شر سے بچائے اور تاجر کو مجبور کرے تاکہ اس سے عوام کو فائدہ ہو۔

حدیث میں آیا ہے:- ایک دفعہ مدینہ میں نرخ بہت زیادہ ہو گئے، آنحضرتؐ کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اس میں مداخلت فرمائیں اور نرخ مقرر فرما دیں، آنحضرتؐ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کسی پر ظلم ہو اور اس کی ذمہ داری مجھ پر آئے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بیوپار میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا اور تاجروں کو اس معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن جو وجہ آپ نے بیان فرمائی، اس کا یقینی مطلب یہ ہے کہ جب تاجر ظلم شروع کر دیں، نفع اندوزی کا مرض عام ہو جائے، تجارت شہری اور تمدنی مفاد کے بجائے شخصی مفاد کے لئے مخصوص ہو جائے اور عوام پر اس نفع اندوزی اور بلیک مارکیٹ سے مصیبت اور دکھ طاری ہو جائے تو اس ظلم سے عوام کو بچانا بھی حکومت کا فرض ہے۔ اس ظلم کی ذِمہ داری سے بچنے کے لئے حکومت کو مداخلت کرنا چاہیئے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں واذا تضمن العدل بین الناس مثل اکراھھم علی ما یجب علیھم من المعاوضۃ بثمن المثل ومنعھم مما یحرم علیھم من اخذ الزیادۃ علی عوض المثل فھو جائز بل واجب (الطرق الحکمیہ ۲۲۳) جب کنٹرول سے ہی لوگوں میں انصاف ہو سکے تو انہیں مناسب قیمتوں پر پابند کیا جائے، انہیں کثرت منافع اور حرام خوری سے منع کیا جائے۔ یہ کنٹرول صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

دوسری حدیث میں اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔ جب ایک غلام مشترک ہو اور ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کر دے تو اسے چاہیئے کہ (بشرط استطاعت) باقی حصہ داروں سے ان کے حصے خرید کر لے، غلام آزاد کر دے باقی حصوں کی قیمت (اگر حصہ دار زیادہ طمع کریں) تو حکومت مقرر کر دے گی۔ اور ... مثل یعنی مناسب

قیمت وصول کر کے غلام آزاد کر دیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بوقتِ ضرورت حکومت تجارت میں مداخلت کر سکتی ہے۔ (ابن تیمیہ الحسبة (۲۰) میں فرماتے ہیں: اما اذا کانت حاجة الناس لا تندفع الا بالتسعیر العادل سعّر علیہم تسعیر عدل لا وکس ولا شطط۔ جب کنٹرول کے سوا عوام کی ضرورت پوری نہ ہو تو حکومت کو منصفانہ قیمت مقرر کر دینی چاہیئے جس میں کمی بیشی نہ ہو۔

نظام حکومت کی خرابی یا قحط سالی ایسے قدرتی حوادث کے وقت حریص تاجر اور ذخیرہ اندوز زمیندار عوام کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ ان کے ظلم سے عوام کی حفاظت حکومت عادلہ کا فرض ہے۔ شیخ فرماتے ہیں: فان کان ارباب الطعام یتعدون ویتجاوزون القیمة تعدیا فاحشا وعجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الا بالتسعیر سعر حینئذ بمشورة اهل الرأی والبصیرة فاذا تعدی احد بعد ما فعل اجبره القاضی وهذا علی قول ابی حنیفة ظاهر (الطرق۔ الحسبة)

جب غلہ کے مالک قیمتوں میں فحش رکھلی کھلی ظالمانہ زیادتی کریں اور قاضی معتدل قانون سے عوام مسلمین کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکے تو ان حالات میں اہل بصیرت کے مشورے سے قیمتوں پر کنٹرول کیا جائے گا، اس کے بعد جو شخص ان نرخوں سے زیادہ وصول کرے، مجسٹریٹ یا حاکم شہر اس پر سختی کر سکتا ہے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق زیادہ واضح ہے اھ حضرت امام ابو حنیفہؒ تجارت کی آزادی کے بہت زیادہ حامی ہیں، لیکن ان کے مذہب کے مطابق بھی ان حالات میں کنٹرول درست ہے۔ لیکن کنٹرول کی یہ صورت صحیح نہیں کہ افسر بنگلوں میں بیٹھ کر تاجروں سے رشوتیں لے کر نرخ مقرر کر دیں بلکہ تمام متعلقین (تاجر اور خریداروں) کے مشورہ سے نرخ مقرر ہونے چاہیئے۔ ینبغی للامام ان یجمع وجوه اهل سوق ذالك الشئ ویحضر غیرهم استظهارا علی صدقهم فیسئلهم کیف یبیعون وکیف یشترون فینزلهم الی ما فیه لهم وللعامة سداد حتی یرضوا (الحسبة)۔ حکومت عوام اور تاجروں کے نمائندوں کو جمع کرے اور دونوں کی مشکلات ان سے معلوم کر کے فریقین کو ایسی سطح پر لے آئے جس میں دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ فائدہ ہو اور وہ مطمئن رہیں۔ اھ

خوراک اور حکومت کی ذمہ داری | خوراک کا مسئلہ ایمان و دیانت کے بعد زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے

حکومت کی ذمہ داریاں اس میں بہت زیادہ واضح ہیں۔ جو حکومت افرادِ رعایا کی موت کے بعد ان کے قرضوں کا ذمہ لیتی ہے، ان کے بچوں کی کفالت کا بوجھ برداشت کرتی ہے، وہ خوراک کے معاملہ میں منافع اندوزوں اور بلیک مارکیٹ کرنے والے درندوں کا تماشہ خاموشی سے کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے دنوں میں گھی اور دودھ کا استعمال بالکل ترک کر دیا، کبھی کبھی تیل کا استعمال فرما لیتے لنگر میں بطور خادم خود شرکت فرماتے، مساکین میں کھانا تقسیم فرماتے، پوری ذمہ داری سے محاسبہ فرماتے کہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے، غلہ کی فراہمی میں انتہائی کوشش کرتے، مختلف صوبوں سے حمل و نقل کے ذرائع پر گہری نظر رکھتے، اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی نظام میں خوراک کے مسئلہ کو کس قدر اہمیت ہے۔[1]

ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کا حکم اسلامی نظام میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ تجارت بالکلیہ آزاد ہو، نہ حکومت نرخ مقرر کرے، نہ ٹیکسوں کی بھرمار کی جائے، تاکہ خوراک اور ضروریاتِ زندگی ارزاں سے ارزاں ہو کر عوام تک پہنچیں، لیکن اگر تاجر اس آزادی سے غلط فائدہ اٹھائیں تو حکومت کو پوری طرح انضباط اور کنٹرول کا حق ہے۔ پچھلے دنوں ذخیرہ اندوز تاجروں اور رشوت خوار حکام کے اتحاد سے جو اندھیر مچایا گیا تھا، اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا اور نہ کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ بنگال کا قحط بھی ایسے ہی غیر ذمہ دار لوگوں کی حرکات کا نتیجہ تھا۔ ایسے لوگوں پر خدا کی رحمت حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے "المحتکر ملعون" (ذخیرہ کرنے والا لعنتی ہے)۔ دوسری حدیث میں ہے "لا یحتکر الا خاطئ" ذخیرہ کرنا گناہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ نے الحسبہ اور الطرق الحکمیہ میں ان مسائل پر مبسوط مباحث لکھے ہیں اور شخصی ملکیت کے احترام اور مفادِ عامہ کی حفاظت کے مسائل میں حکیمانہ تجزیہ فرمایا ہے، جسے بوجہ تطویل نظر انداز کرنا پڑا۔ یہ تمام مباحث حدودِ قانون کے تعین سے متعلق ہیں۔ اگر معاملہ حد سے گذر جائے اور قحط یا بدنظمی کی وجہ سے قانون کی حدود ٹوٹ جائیں تو اس وقت اہلِ ثروت اور بلیک مارکیٹ کرنے والے درندوں سے ایک اخلاقی اپیل

---

[1] حضرت عمرؓ کو تو جانوروں تک کی خوراک کا پورا پورا لحاظ تھا۔ ایک صاحب نے مدینہ میں تجارتی اغراض کے لئے گھوڑے پالنے والے کے واسطے اصطبل قائم کیا تو اس کو عملاً اس بات کا پابند فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کے لئے چارہ باہر سے منگاؤ گے، ورنہ مدینہ میں چارے کی قلت ہو گئی یا گراں ہونے لگا تو غریب لوگوں کو تکلیف ہو گی اور ان کے جانور بھوکوں مریں گے۔ (د ن ص)

کے بعد حکومت کو چاہیئے کہ مفاد عامہ کی حفاظت کے لئے جبراً جو کر سکتی ہے، کر گذرے اور شخصی ملکیتوں کے احترام کو بالائے طاق رکھدے۔ جو لوگ عوام کی ضروریات یا اپنی ملکیتوں کا خود احترام نہیں کرتے، حکومت بھی ان کے احترام کی ذمہ دار نہیں۔ اس مسئلہ میں حافظ ابن حزم کی تصریحات قابل غور ہیں۔ ابن حزم ظاہر کتاب وسنت کے قائل ہیں۔ وہ قیاس اور تقلید کی کوئی مقدار بھی قبول نہیں فرماتے، اس لئے وہ جس قدر کھل کر فرما رہے ہیں، شاید مذاہب مروجہ کے ارباب فکر وہاں تک پرواز نہ کر سکیں۔

ستۂ ۲۵ قال ابن حزم فرض علی الاغنیاء من اهل کل بلد ان یقوموا بفقرائهم ویجبرهم السلطان علی ذالك ان لم تقم الزکوٰة بهم ولا فی سائر اموال المسلمین بهم فیقام لهم بما یاکلون من القوت الذی لابد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالك وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة (محلی ۶ — ۱۵۶)

اگر زکوٰۃ وغیرہ مساکین کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہوں تو دولتمند لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے فقرا کے لئے خوراک، سردی اور گرمی کے لئے مناسب کپڑے اور مکان کا انتظام کریں جو انہیں بارش گرمی اور سردی سے بچا سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو حکومت انہیں اس پر مجبور کرے۔ امام نے یہ استدلال دو آیتوں سے کیا ہے۔ وآتِ ذالقربیٰ حقه، اور والذین فی اموالهم حق للسائل والمحروم۔ امام کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں فقرا کا حق تسلیم کیا گیا ہے، پس حقدار اپنا حق جبراً لے سکتا ہے اور حکومت کو اسکی مدد کرنا چاہیئے امام نے اس مقام پر بعض احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے بخوف اطناب ترک کر دیا گیا ہے۔ قال عمر بن الخطاب لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین وهذا اسناد فی غایت الصحة (محلی ۶ — ۱۵۸) اگر مجھے آنے والے واقعات کا علم ہوتا تو میں دولتمند لوگوں سے زائد مال لے لیتا اور اسے فقرا مہاجرین میں بانٹ دیتا، اور اس کی سند بہت صحیح ہے۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے جو حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں حتی رأینا انه لا حق لاحد منا فی فضل، ہم نے سمجھا کہ زائد چیز میں ہمارا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ لله ما ادق نظره! محمد بن حنفیہ حضرت علی سے روایت فرماتے ہیں: ان الله فرض علی الاغنیاء فی اموالهم بقدر ما یکفی فقراءهم (محلی) اہل ثروت کے

مالوں میں فقرا کا اتنا حق ہے جتنا ان کی ضروریات کو کافی ہے۔

ایک دفعہ جنگ میں راشن ختم ہو گیا۔ ابو عبیدہ نے تین سو صحابہ کی موجودگی میں تمام راشن ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور سب کو برابر راشن تقسیم کر دیا۔ ابن حزم فرماتے ہیں فھذا اجماع مقطوع من الصحابة لا مخالف لھم منھم یہ صحابہ کا اجماع ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یعنی غیر معمولی حالات میں غذا اور دوسری ضروریات کو پوری رعایا تک بہم پہنچانے کے لئے یکجا جمع کر کے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

لوٹ کی اجازت ابن حزم کا خیال ہے کہ جب غربا اور فقرا موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں اور دولتمند اس اضطرار کا احساس نہ کریں تو بھوکے مساکین کو اجازت ہے کہ بقاء حیات کے لئے ایسے لوگوں کو لوٹ لیں اور جبراً ان سے بقدر قوت[1] لے لیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "اگر آپ کے پاس کھانا ختم ہو جائے اور آپ کے ساتھی کے پاس ضرورت سے زائد خوراک موجود ہو تو اس حال میں بطور اضطرار آپ خنزیر وغیرہ محرمات کا استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کو ساتھی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس کا فرض ہے کہ آپ کو کھانا دے، اگر وہ اخلاقاً اس فرض کا احساس نہ کرے تو ابن حزم کا فتویٰ یہ ہے وله ان یقاتل علی ذالك فان قُتِلَ فعلی قاتله القود وان قتل المانع فالی لعنة الله لانه منع حقا وھو طائفة باغیة (محلی ۷-۱۵۹) فقیر کو لڑ کر خوراک حاصل کرنی چاہیئے اگر فقیر مارا جائے تو اس کے قاتل پر اس کا خون بہا ہوگا اور اگر غنی مارا جائے تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی، وہ باغی ہے، اس نے فقیر کا حق روک لیا اور اسے لڑنے پر مجبور کیا۔[2]

دوسرا رُخ زمیندار، کارخانہ دار اور تاجر اسلامی قانون میں پابند ہیں کہ غریب لوگوں کے لئے تکلیف کا موجب نہ بنیں۔ تسعیر اور کنٹرول اور نرخوں کی پابندی سے ان پر ظلم کی راہیں بند کر دی گئی ہیں ٹھیک اسی طرح کاشتکار اور مزدور کے لئے بھی راہِ عمل متعین ہے۔ اسلامی تمدن کے لحاظ سے ان پر بھی ایک ذمہ داری عاید ہے جسے پورا

---

[1] یعنی صرف اتنا جس سے روح و بدن کا رشتہ استوار رہ جائے۔ [2] شریعت اللہ کے قانون کا نام ہے اور اس قانون میں جو رخصت جس حد تک ہو، ایک مومن اس سے آگے بڑھنے کے لئے اپنی مرضی سے کوئی اسکیم تیار کرنے یا دوسروں کو اس کی اجازت دینے کا مستحق نہیں کیونکہ نرم کی طبقاتی جنگ ایک انتہائی صورت ہے جس کا جواز ان استثنائی واقعات سے ثابت نہیں ہوتا۔

(ف۔ ص)

کرنا ان کا فرض ہے۔ مزدوروں کے جتھے جس طرح ہلڑ مچاتے ہیں اور اشتراکی تحریکات کی قیادت میں جس طرح لُوٹ مار کی دھمکیاں دیتے ہیں، اسلامی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر مزدور پر ظلم ناجائز ہے تو مزدور کو بھی ظلم کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر کارخانہ دار مزدور کے حقوق پورے کرے تو مزدور پر بھی فرض ہے کہ پوری دیانتداری سے کام کریں۔ لا تظلمون ولا تظلمون۔ یہ عام قاعدہ ہے۔ نہ اس سے مزدور مستثنیٰ ہے نہ سرمایہ دار۔

اما الثاني فمثل ان يمتنع ارباب السلع من بيعها مع ضرورة اليها الا بزيادة على القيمة المعروفة فهنا يجب عليهم بيعها بقيمة المثل ولا معنى للتسعير الا الزامهم بقيمة المثل (الحسبہ ۳۴) اگر صنّاع حرفت سامان کے لیے مناسب قیمت سے زیادہ دام طلب کریں تو انہیں قیمتِ مثل پر مجبور کیا جائے گا۔ کنٹرول کا یہی منشا ہے اھ

اسی طرح اگر حکومت کسی خاص آدمی کو پرمٹ دے اور دوسرے لوگوں کو اس کی بیع سے روک دے تو حکومت کا فرض ہے کہ اس کی خرید و فروخت پر پوری طرح کنٹرول کرے تاکہ بائع اور مشتری دونوں دستور کے مطابق قیمت وصول کرسکیں ورنہ اس قسم کے پرمٹ اور پابندی شرعاً حرام ہے اور ظلم۔ شیخ الاسلام دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

والمقصود ان هذه الاعمال التي هي فرض على الكفاية متى لم يقم بها غير الانسان صارت فرض عين عليه لا سيما اذا كان غيره عاجزا عنها فاذا كان الناس محتاجين الى فلاحة قوم او نساجتهم او بنائهم صار هذا العمل واجبا يجبرهم ولي الامر عليه اذا امتنعوا عنه بعوض المثل ولا يمكنهم من مطالبة الناس بزيادة على عوض المثل ولا يمكن الناس من ظلمهم بان يعطوهم دون حقهم (الحسبہ ۲۴)

بعض کام فرض کفایہ ہیں، لیکن جب اُن کے کرنے والے کم ہوجائیں اور لوگوں کو ان کی ضرورت ہو تو وہ فرض عین ہوجائیں گے۔ کاشتکاری، معماری، کپڑا بننا جب ان کی زیادہ ضرورت ہو تو یہ فرض عین ہونگی۔ حکومت ان کے نرخ معین کریگی نہ مزدوروں کو ظلم کا موقعہ دیا جائے گا کہ وہ زیادہ معاوضہ طلب کرکے عوام

کو تنگ کریں، نہ عوام کو اجازت دی جائیگی کہ وہ مزدور کو اس کے حق سے کم دیں۔ ہر ایک قیمت مثل پر کفایت کرے گا۔ اسی کی تائید ایک دوسرے مقام سے ہوتی ہے۔ والمقصود هنا ان ولی الامر ان اجبر اهل الصناعات علی ما یحتاج الیه الناس من صناعاتهم کالفلاحة والحیاکة والبنایة فانه یقدر اجرة المثل فلا یمکن المستعمل من نقص اجرة الصانع من ذالک ولا یمکن الصانع من المطالبة باکثر من ذالک حیث تعین علیه العمل وهذا من التسعیر الواجب۔ الحسبه ۲۲۔

حکومت جب کاریگروں کو کام کرنے پر مجبور کرے تاکہ عوام کی ضرورتیں پوری ہوں مثلاً کاشتکاری، کپڑا بنانا، عمارت کا کام، تو حکومت کا فرض ہو گا کہ نرخ معین کر دے تاکہ نہ مزدور کے حق میں کمی ہو اور نہ عوام پر ظلم ہو۔ اس قسم کا کنٹرول بوقت ضرورت واجب ہے۔ جس طرح قیمتوں کی زیادتی پر احتساب اور کنٹرول ضروری ہے اسی طرح کمی پر بھی احتساب درست ہے۔ اگر کوئی شخص ضرورت کی بنا پر اپنی چیز اتنی کم قیمت پر بیچتا ہے جس سے دوسرے تاجروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو حکومت کو اختیار ہے کہ اس کا مال بازار سے اٹھوا دے تاکہ دوسرے تاجروں کو خسارہ نہ ہو۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے منقی بہت کم قیمت پر بیچنا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اما تزید فی السعر واما ان ترفع من سوقنا۔ پورے نرخ پر بیچو یا سامان بازار سے اٹھا لو اور اسے پرائیویٹ طور پر بیچو تاکہ بازار والوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اسلام کے قانون میں سرمایہ دار، مزدور، کسان، زمیندار سب سوسائٹی کے اجزاء ہیں اور معاشرہ کی تشکیل میں سب کا مساوی حصہ ہے، اس لئے کسی کی تخریب یا تباہی اس قانون میں ممکن نہیں، بلکہ ہر ایک کو قانون کی حد کا پابند ہونا ہو گا۔ ہڑتالوں اور ہڑبونگ سے ملک کے نظام کو خراب کرنا قطعاً درست نہیں، کشت و خون اور انارکی سے ملک کے نظام امن کو تباہ کرنا، اس کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں۔ بعض سیاستدانوں نے کبھی اسلامی سوشلزم کا لفظ استعمال کیا تھا[1] اگر اس کا کوئی مفہوم ہو سکتا ہے تو وہ اس معتدل قانون کی صحیح تعبیر ہے، ورنہ عرفی سوشلزم سے تو اسلام کو کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام خود ایک جامع قانون ہے جس کی تعبیر نہ اشتراکیت سے ہو سکتی ہے نہ

[1] مولینا کہا تھا نہ کہتے، ابھی چند روز پہلے ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں لاہور میں اسے دوہرا کر پھر تازہ کیا گیا ہے۔ اس اصطلاح کے مصنفین بیرمان اسلام اور مومنین اشتراکیت دونوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں (ن۔ ص)

کمیونزم سے۔ ملتِ عشق کی اپنی خاص راہ ہے، اس میں کوئی اشتراک نہیں ؎

ملتِ عشق از ہمہ ملت جداست عاشقاں را مذہب وملت خداست

گذارشات اختصار کی کوشش کے باوجود بہت لمبی ہو گئی ہیں، لیکن بلحاظ اہمیت موضوع بیحد مختصر ہیں کئی زاویوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہو سکی، کئی تشنۂ تکمیل ہیں، الغرض صرف اشارات پر اکتفا کرنا پڑا۔ ایک ناکمل اور ابتدائی کوشش ہے، اہل علم کو اس پر قلم اٹھانا چاہیئے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر لکھنا چاہیئے۔ یہ وقت کے اہم مسائل ہیں، ہدایت کے متلاشی اگر اہل علم سے رہنمائی کے خواہشمند ہوں تو اہل علم کو اپنا فرض پہچاننا چاہیئے۔ واللہ ولی التوفیق!

اعلان

ہمارے ہاں مندرجۂ ذیل کتب جو شائع ہیں مدت سے ختم تھیں چھپ کر آ چکی ہیں۔ ضرورتمند حضرات طلب فرما سکتے ہیں:۔

رسالہ دینیات	طبع نہم	۰۰—۸—۱
تفہیمات	طبع پنجم	۰۰—۰۰—۴
سیاسی کشمکش حصہ سوئم	طبع ششم	۰۰—۸—۲
حقوق الزوجین	طبع سوئم	۰۰—۸—۱
حقیقتِ شرک	طبع سوئم	۰۰—۰۰—۲
اشتراکیت اور نظام اسلام	طبع سوئم	۰۰—۰۰—۵

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جماعت اسلامی۔ ذیلدار پارک۔ اچھرہ

معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج

(نعیم صدیقی)

قسط دوم

سرکاری ملازمین کے معاوضے | ہمارے نظام معاشی کی بڑی بڑی ناہمواریوں میں سرکاری ملازمین کے معاوضوں کی اونچ نیچ کو اوّل درجے کی اہمیت حاصل ہے[1]۔ تنخواہوں کا خوفناک تفاوت تنہا ہی نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ملازمین میں ایک مہلک طبقہ بندی بھی کارفرما ہے، اوپر کے طبقے میں کبر و رعونت کا احساس پایا جاتا ہے اور نچلے طبقے کے کثیر التعداد ملازمین کے اندر احساسِ کمتری کا مرض پیدا کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک حکومت کے کارکنوں کو مملکت اور عوام کی خدمت کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنے میں جس جذبۂ اخوت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مر چکا ہے ——— اور ظاہر ہے کہ اگر آپ یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے چلے ہیں تو اس صورتِ حالات کو باقی نہیں رکھا جا سکے گا، بلکہ اسے جلد از جلد بدل دینا ہوگا۔

موجودہ معاوضہ بندی میں بنیادی قباحتیں تین ہیں۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ کم سے کم درجے کی جو تنخواہ طے کی گئی ہے، وہ ایسی نہیں ہے کہ جس میں ایک کنبے کا تو کجا ایک فرد کا گذارہ بھی ہو سکے۔ آخر کوئی ریاضی دان یہ بتلائے کہ ۳۵[2] روپیہ ماہانہ

---

[1] حکومت چونکہ انسانی قوت (Man-Power) اور جنسِ محنت (Labour) کی سب سے بڑی گاہک ہوتی ہے، اس وجہ سے قدرتی طور پر محنت اور ملازمت کے معاوضوں کا جو بازاری نرخ (Market Rate) بنتا ہے اس پر حکومت کی اختیار کردہ شرح ہائے معاوضہ اور اصولِ معاوضہ بندی بہت ہی گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ انسانی محنت کا منصفانہ نرخ کسی ملک میں صرف اسی صورت میں رائج ہو سکتا ہے جب کہ حکومت سب سے پہلے اپنی تنخواہوں کا نظام انصاف کے اصولوں پر عملاً قائم کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں نظام معیشت کو رائج کرنے کیلئے تنخواہوں کی فوری اصلاح کو ہم لازم سمجھتے ہیں۔

[2] یہ تو گورنمنٹ کے ملازمین کے معاوضوں کی کم سے کم حد بندی ہے، ان کے مقابلے میں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے دوسرے اداروں کے بعض ملازمین کی بنیادی تنخواہیں ۱۶ — ۱۷ اور ۲۰ — ۲۰ روپے بھی ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔

میں ادنیٰ کپڑا، مکان اور دوا جیسی ضروریات ایک، دو، تین، چار، پانچ اور دس افراد کے کنبے کے لئے کیسے پوری ہو سکتی ہیں۔ پھر اس سے اوپر ۳۰۰، ۵۰۰، ۶۰۰ اور ۸۰۰ تک کے جو معاوضے پائے جاتے ہیں، ان کو چار پانچ افراد کے کنبوں کی کفالت کا ذریعہ کس حکمت سے بنایا جا سکتا ہے۔ جن کمیشن کے ممبران نے یہ ظالمانہ شرح بندی کی ہے، ہم ان سے انکساری سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ ایک مہینہ اپنے گھر کا خرچ اسی رقم سے چلا کر دکھا سکتے ہیں؟ اگر اپنے گھر کا نہیں، تو کیا آپ ۶۰ روپے لینے والے کارکن کو کوئی ایسا بجٹ بنا کے دے سکتے ہیں کہ جس کے ذریعے اسے ۵، ۶ مہینے کے مصارف ۶۰ روپے میں پورے ہو جائیں؟ اگر آپ کی معاشی معلومات میں ایسے کوئی چھو منتر نہیں ہیں تو پھر بتائیے کہ آپ خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ اور اگر آپ خدا کو نہ مانتے ہوں تو بتائیے کہ آپ نے اپنے ضمیر کو کس طرح مطمئن کر لیا ہے؟

دوسری خرابی تنخواہوں کی شرح بندی میں یہ ہے کہ ایک کارکن کے کنبے اور اس کی معاشی ذمہ داریوں کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ان حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک طرف ایک شخص فرد واحد ہو کر تین چار سو روپیہ ماہانہ لے رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف دس افراد کا کنبہ پچاس روپے پر بسر ہو رہا ہوتا ہے۔

تیسری خرابی معاوضوں کے موجودہ سسٹم میں ظالمانہ تفاوت کا پایا جانا ہے۔ آج ہمارے ہاں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کی باہمی نسبت ۱ : ۵۰ کی ہے۔ بلکہ اگر لوکل سیلف گورنمنٹ کے اداروں کے کارکنوں کے معاوضوں کو دیکھا جائے تو تفاوت کا تناسب ۱ : ۱۰۰ ہو گا ہے۔ یعنی جو فرق ایک منزل کے مکان اور دو سو منزل کے مکان کو ایک ساتھ بنا کر محسوس کیا جا سکتا ہے، ٹھیک وہی فرق سرکاری ملازمین کے معاوضوں میں پایا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک گاڑی وہ ہے جو ایک میل فی گھنٹہ چل رہی ہے اور دوسری گاڑی وہ ہے جو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہے۔ تفاوت یقیناً ناگزیر ہے، لیکن اگر تفاوت اتنا زیادہ ہو جائے کہ اسلام کی خدمت کے لئے افسر اور ماتحت اور اعلیٰ و ادنیٰ ملازم ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے جذبے سے محروم ہو جائیں تو ایسا تفاوت ناقابل برداشت ہے۔

معاوضہ بندی کے ان تین مفاسد کی وجہ سے جو مہلک نتائج پیدا ہو رہے ہیں، ان کا ایک ہلکا سا تصور دلا دینا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کو بنانے میں جن چھوٹے ملازمین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، مثلاً مدرس، کلرک، کانسٹیبل

ــ ایک صحیح اسلامی حکومت کی آزاد عدالت میں حکومت کا ایک کارکن اس قسم کے ظالمانہ معاوضہ کے خلاف اپیل استغاثہ دائر کر سکتا ہے اور عدالت یقیناً حکومت کے خلاف ڈگری دے کر اسے معقول معاوضہ دلا کے رہے گی۔

فوجی سپاہی اور سرکاری کارگاہوں کے مزدور وغیرہ جو پاکستان کی گاڑی کے لئے پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں حد درجہ کی بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ وہ مملکت کی خدمت گزاری کے لئے جس ولولہ کی ضرورت ہے وہ ان کے سینوں میں دم توڑ رہا ہے وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کا وجود صرف ان بڑوں کے لئے ہے جو اس کے خزانے سے جتنا رس چاہتے ہیں آزادی سے نچوڑ لیتے ہیں اور اپنے سے نیچے کے کارکنوں کی حق ماری کرنے کے لئے پورے اختیارات رکھتے ہیں۔ دوسری واضح خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ معاوضوں کی کمی نے رشوت ستانی اور پبلک کے اموال میں خیانت کرنے کے دروازے چوپٹ کھلوا دیئے ہیں۔ غریب ملازمین کے اندر جو اخلاقی قوت بددیانتی سے روکنے کے لئے کارفرما چلی آرہی تھی اسے فقر و فاقہ نے آہستہ آہستہ کمزور کر دیا ہے۔ اس طرح رشوت ستانی اور خیانت پاکستان کے خزانہ قوت کو مسلسل برباد کر رہی ہے جیسے دیمک کسی تخت طاؤس کو اندر ہی اندر سے چٹ کر جائے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ملازمین حکومت غیر منصفانہ معاوضوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے بار بار ہڑتالیں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان ہڑتالوں کی وجہ سے مملکت پاکستان کے خزانہ قوت میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ چوتھی خرابی یہ پیدا ہو چکی ہے کہ افسر اور عام کارکنوں میں نہ صرف یہ کہ اخوت کا تعلق سرے سے نہیں ہے بلکہ الٹا باہمی نفرت اور کشمکش کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ پاکستان کے لئے فال نیک ہرگز نہیں۔ پانچویں خرابی یہ ہے کہ معاوضوں کے اس غلط سسٹم کا بہت مضر اثر سالہا سال سے پرائیویٹ فرموں اور اداروں کے ملازمین اور مزدوروں کے معاوضوں کے مارکیٹ ریٹ پر پڑ رہا ہے۔

ان حالات میں ہمارے ملازمین کمیونزم کے جراثیم کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار بیٹھے ہیں۔ چنانچہ فوج کی چھاؤنیاں، پولیس لائنز اور سول دفاتر کے ہر گوشے میں ان جراثیم کے انجکشن لگانے کی ایک خاموش مہم ملک بھر میں جاری ہے۔ اس مہم کو ناکام بنانے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں ہے کہ معاوضوں کا نظام اسلام کے منصفانہ اصولوں پر استوار کر دیا جائے۔

<u>خلافت راشدہ میں معاوضہ بندی کا اصول</u> خلافت راشدہ کے دور کی تاریخ کی چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں ملازمین حکومت کے معاوضوں کے تعین میں یہ خیال بھی رکھا جاتا تھا کہ کارکن کی قابلیت اور خدمت کی نوعیت کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ اس کی ضروریات کیا ہیں، اور اس کا کنبہ کتنا ہے۔

ابتدائی دور میں جب تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لئے مخالف قوتوں سے جدوجہد جاری تھی تنخواہ داری

سرے سے نہ تھی بلکہ ہر شخص اپنے خرچ پر رضاکارانہ خدمات انجام دیتا تھا اور اگر اسٹیٹ کو کوئی آمدنی ہوتی بھی تو وہ کارکنوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں جب اسلامی ریاست پوری طرح قائم (establish) ہو گئی تو باقاعدہ معاوضہ بندی کر دی گئی۔ جس کی تصریح دور عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے اپنی ایک تقریر میں تنخواہوں کے فرق مراتب کے وجوہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

ما احدٌ الا وله فی هذا المال	تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا حصہ اس خزانے
حقٌ أعطيه او منعه	میں نہ ہو خواہ یہ حصہ میں نے ادا کر دیا ہو یا روک رکھا ہو کوئی
وما احدٌ احق به من	اس خزانے میں مرد و غلام سے جو کسی کے مقابلے میں بڑا
احد الا عبدٌ مملوكٌ و	حصہ دار نہیں ہے اور خود میں اس معاملے میں کوئی حیثیت
ما انا فيه الا كاحدكم	اس سے زیادہ نہیں رکھتا جو تم میں سے ہر ایک کی ہے
ولكنا على منازلنا من	لیکن اس خزانے کی تقسیم ملے ان درجات و مقام
كتاب الله وقسمنا من	کے مطابق ہوگی جو کتاب اللہ اور رسول اللہ کے ذریعے
رسول الله صلعم	متعین ہیں۔ سو دیکھا جائے گا کہ
(۱) فالرجل وبلاؤه فی الاسلام (۲) والرجل	۱۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کیا آزمائشیں جھیلی ہیں
وقدمه فی الاسلام (۳) والرجل وغناؤه	۲۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کتنی مشقت کی ہے
فی الاسلام (۴) والرجل وحاجته فی الاسلام	۳۔ کوئی شخص اسلام کے مطلع و مدد کی [illegible] رہتا ہے
ایک دوسرے موقع پر یہ کڑوہ ارشاد فرمایا:۔	۴۔ کسی شخص کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟
(۵) والرجل وعياله فی الاسلام	۵۔ کسی شخص کا زیر کفالت کنبہ کتنا ہے۔

معمولی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاوضہ بندی کے لئے بہترین منصفانہ اصول یہی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ تقریر مذکورہ بالا کی اصطلاحات اسلامی تحریک کے ابتدائی انقلابی دور سے متعلق ہیں لیکن اگر ان سے عام حالات کے لئے اشارات اخذ کئے جائیں تو معاوضہ بندی میں قابل لحاظ امور یہ ہوں گے کہ:

(۱) ایک شخص نے اسلامی حکومت کے قائم کرنے اور چلانے کی جدوجہد میں کیا حصہ لیا ہے اور کیسی خاص خدمات

انجام دی ہیں اور کن کن قربانیوں سے کام لیا ہے؟

(۲) ایک شخص نے اسلامی حکومت کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو علمی قابلیت، عملی مشق و تجربہ اور فنی مہارت کے لحاظ سے تیار کرنے میں کتنی دماغی اور مالی قربانی دی ہے اور عمر کا کتنا حصہ صرف کیا ہے؟

(۳) ایک شخص کتنی مدت سے اسلامی حکومت کی خدمات انجام دے رہا ہے؟

(۴) ایک شخص کی خدمات کی نوعیت کیا ہے اور جسمانی و دماغی مشقت اس میں کس حد تک پائی جاتی ہے؟

(۵) ایک شخص کی حاجات و ضروریات کیا ہیں؟

(۶) ایک شخص کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟

ان سامنے امور کا لحاظ معاوضہ و مزدوری مقرر کرنے میں اگر رکھا جائے تو ان کے مجموعے کا نام اصولِ کفالت ہے۔ خلافتِ راشدہ میں تنخواہیں اور معاوضے اسی اصولِ کفالت پر ادا ہوتے تھے۔ چنانچہ کسی ملازمِ حکومت کے کنبے میں جہاں ایک بچے کا اضافہ ہو جاتا اس کا وظیفہ بیت المال سے ادا ہونے لگتا۔ مہاجرین و انصار کی ازواج کو [illegible] سے [illegible] درہم تک کے بدل النفس ملتے تھے۔

پاکستان میں اس اصولِ کفالت کو نافذ العمل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ایک نیا پے کمیشن (Pay-Com-mission) مقرر کیا جائے جو اسلامی ذہنیت کے ساتھ معاوضوں کے نظام کی نظر ثانی کرے۔ ہر سرکاری کارکن کو اس کے افرادِ خاندان کے مطابق اس کی بنیادی ضروریات فراہم کی جائیں، نیز اس کی اور اس کے اہل و عیال کی صحت کی ذمہ داری حکومت اپنے سر لے۔

ظالمانہ تفاوت کا خاتمہ دوسری اصلاح جو معاوضوں کے نظام میں مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۲۰ تا ۳۵۰۰ کے ظالمانہ تفاوت کو ختم کیا جائے۔ کارکنوں کی صلاحیتوں، خدمات کی نوعیتوں اور مناصب کی ذمہ داریوں وغیرہ میں جو تفاوت قدرتی طور پر موجود ہے، وہ یقیناً معاوضوں میں ایک حد تک تفاوت پیدا کرتا ہے، اور ایسا ہونا چاہئے۔ لیکن آج کا تفاوت اسلامی نظام کے تحت گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

خلافتِ راشدہ میں بھی تفاوت موجود تھا اور بعض مناصب کے لئے خاص طور پر اچھے معاوضے بھی رکھے گئے تھے، لیکن وہاں اس امر کا اہتمام تھا کہ نیچے کے کارکنوں کا حق مار کر اوپر کے بڑے عہدہ داروں کو عیاشی کے سامان فراہم نہیں کئے

جاتے تھے بلکہ سب سے نیچے والے کو بھی اتنا ضرور ملتا تھا جتنا ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو۔
خلیفہ اول کے دور میں باقاعدہ تنخواہ دارانہ نظام نہیں تھا خلیفہ دوم نے اسے قائم کیا اور ۱۵ھ میں جب باقاعدہ طور پر ملت اسلامیہ کے جملہ افراد کو سرکاری سپاہ قرار دے کر درج رجسٹر کرایا تو ان کے مستقل معاوضے مقرر فرمائے۔ ان معاوضوں سے زیادہ سے زیادہ کی مقدار ۵۰۰۰ درہم (موجودہ شرح کے حساب سے تقریباً ۲۵۰۰ روپیہ) اور کم سے کم مقدار ۲۰۰ درہم (۱۰۰ روپیہ) تھی۔ بعد میں جب اسلامی ریاست کے مالیات نے مزید ترقی کی تو ان تنخواہوں میں اور اضافہ کیا گیا ایک طرف افسروں کی تنخواہوں کو ۱۲ ہزار درہم تک بڑھا دیا گیا اور دوسری طرف کم سے کم معاوضہ پانے والوں کو ۲۰۰ کے بجائے ۳۰۰ درہم دیئے جانے لگے گویا اسلامی نظام میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چپراسی اور ہرکارہ اور سنتری بھی ۱۵۰ روپیہ ماہانہ پاتا تھا (بیوی بچوں کے لئے وظائف مزید براں ملتے تھے) غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ خلافت راشدہ میں معاوضوں کا تفاوت ۱:۲۵ اور ۱:۴۰ کے اندر اندر قائم رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں آج کے پاکستان میں تفاوت ۱:۲۰۰ کا ہے یعنی ۶ اور ۵ گنا!

یہ انصاف کی قطعی نفی ہے کہ ہماری حکومت کی گاڑی جن پہیوں پر چلتی ہے ان کو تو بدرجہ ناکافی معاوضے دیئے جائیں۔ لیکن پاکستان کے اس خزانے سے جسے ملک کے غریب لوگ اپنے خون پسینے کی ایک ایک بوند ٹپکا ٹپکا کر بڑی مشکلوں سے بھرتے ہیں، بڑے عہدہ داروں کو نہ صرف یہ کہ ساری ضروریات زندگی پوری کر کے دی جاتی ہیں بلکہ ان کی معصیت، بیجا تفریحات، ان کی عیاشیوں، ان کی کافرانہ عادات، ان کی غیر اسلامی مجالس کیف و سرود کے مصارف پورا کرنے کے لئے معاوضوں میں پوری طرح گنجائشیں رکھی جاتی ہیں۔ پاکستان کے غریب خزانے کے بل پر شرابیں خریدی جاتی ہیں۔ کلب گھروں میں رقص و سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوزی کی جاتی ہے، برج کھیلی جاتی ہے، گھوڑدوڑ میں روپیہ لگایا جاتا ہے، اپنی عورتوں کو تبرج جاہلیت سے آراستہ کر کے بے پردگی اور بے حیائی کی تبلیغ کے لئے میدان میں لایا جاتا ہے ——— اور پاکستان کی گاڑی کے پہیے ملازم، کلرک، سپاہی، کانسٹیبل، مزدور وغیرہ بہ خورد ماہلہ فرزندم"

۱ے سول حکموں میں سے صوبہ کے گورنروں کی تنخواہیں بھی ۵۰۰۰ درہم ماہانہ تھیں۔ بڑے درجے کے قاضیوں (ججوں) کی تنخواہیں جو خاص تدبیر زائد رکھی گئی تھیں تاکہ وقت ضرورت کوئی رخنہ انصاف کے عمل میں پیدا نہ کر سکے وہ ۵۰۰ درہم ماہانہ یعنی تقریباً ۲۵۰ روپے مقرر ہوئیں۔ قاضی سلیمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کو یہی مشاہرہ ملتا تھا۔

کام حاصل کرنے میں اپنا خون خشک کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ گھس گھس کر اندر گھل گھل کر ختم ہو جائیں۔

ایک اسلامی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے اوپر کے افسروں کی نہیں، پہلے نیچے کے کارکنوں کی کم سے کم شرح کو اصول کفالت کے مطابق طے کرے کہ ایک کنبے کی گزر کے لئے کتنی رقم ناگزیر ہے، پھر بعد میں یہ دیکھا جائے کہ اوپر کے اعلیٰ کارکنوں کو خاص اضافے دینے کے لئے خزانہ کتنی گنجائش رکھتا ہے۔ نہ یہ کہ پہلے اوپر کے معاوضے مقرر ہو جائیں اور پھر خزانے میں جتنی استطاعت باقی رہے، نچلے ملازمین کی تنخواہیں اس کے مطابق ادا ہونے لگیں۔ صرف اس طریق سے تفاوت کو معقول اور جائز تناسب پر قائم کیا جا سکتا ہے۔

اکابر حکومت کے معاوضے اب تک عام ملازمین کے معاوضوں کے متعلق جو اشارات بیان کئے گئے ہیں، اسلامی نظام میں اکابر حکومت کا معاملہ ان سے بالکل الگ ہے۔ اکابر حکومت سے صدر حکومت، وزراء اور ارکان اسمبلی وغیرہ نظام ملک مراد ہیں۔ جدید جمہوری نظام میں ان عہدوں کے ساتھ بھاری تنخواہیں رکھی جاتی ہیں، لیکن اسلامی نظام میں ان مناصب کے لئے تنخواہ اور ملازمت کے تصور کو موجب توہین سمجھا جاتا ہے اور بجائے تنخواہ کے ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے ایک اوسط درجے کے معیار کے مطابق وظائف مقرر کئے جاتے ہیں۔

خلافت راشدہ میں خلفاء اور اہل شوریٰ نے گزارے کے وظائف سے زائد کبھی کچھ وصول نہیں کیا، بلکہ خلیفہ اول نے زندگی بھر جتنا وظیفہ لیا تھا، اسے بھی اپنے ترکہ میں سے واپس بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کی۔ حضرت عمرؓ نے واضح طور پر اپنے وظیفہ کی حیثیت متعین کر دی کہ:-

انما انا ومالکم کولی الیتیم	تمہارے بیت المال کے لئے میری وہی حیثیت ہے جو
ان استغنیت به استعففت	یتیم کے ولی کی ہوتی ہے۔ پس میں اگر غنی ہوں گا تو اس
وان افتقرت اکلت بالمعروف	میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوا تو منصفانہ
	طریق سے کھاؤں گا۔

چنانچہ یہ منصفانہ معاوضہ جو اخراجات کا باقاعدہ حساب مرتب کر کے آپ نے مقرر فرمایا تھا وہ درہم یومیہ تھا۔ پھر اس پر احتیاط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بیت المال کا ذرا سا حق بھی اپنے اوپر آنے کے روادار نہ تھے اور اپنے اوپر اور گھر والوں پر اس معاملے میں حد درجہ کی سختی کرتے تھے۔ یہی مسلک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اختیار کیا جنہیں بجا

کے دور کے بیچ میں دو سال نئے سرے خلافت راشدہ کے احیاء کا موقع مل گیا تھا۔

لیکن آج "مال یتیم" کے والیوں کا یہ حال ہے کہ اپنے لئے ۵،۵۰ ہزار روپیہ تک کی تنخواہیں مقرر کرتے ہیں، تنخواہوں سے بڑھ چڑھ کر سفر خرچ وصول کرتے ہیں، شاہانہ ضیافتوں اور دعوتوں کے لئے روپیہ صرف کرتے ہیں، ۵۰۰۰۰ ہزار روپیہ کا فرنیچر استعمال کرتے ہیں اور اپنے مناصب خدمت کو باقاعدہ کمائی اور عیاشی کا ایک وسیلہ سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مدعا یہ نہیں کہ آج بھی معاوضہ عین دو درہم روزانہ ہی ہونا چاہئے۔ بلکہ موجودہ دور کے معیار تمدن کے پیش نظر ایک اوسط درجے کے شہری کی صاف ستھری شریفانہ مگر سادہ زندگی گزارنے کے لئے جتنا خرچ ناگزیر ہے، پاکستان کے صدر حکومت اس کے وزراء اور اس کے ارکان اسمبلی کو صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ ورنہ مال یتیم کے والی سے عدالت خداوندی میں جتنا شدید محاسبہ ہونا ہے، اس سے ہزار گنا زیادہ شاید محاسبہ ایک اسلامی حکومت کے عمال برداروں سے ہوگا۔

اعلیٰ عہدہ داروں پر ایک اہم پابندی موجودہ نظام میں اعلیٰ عہدہ داروں کو پوری چھوٹ ہے کہ وہ اپنی بڑی تنخواہوں کے بل پر نہایت درجہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کریں اور اپنے مسرفانہ معیار زندگی کو عوام ملک اور ماتحت کارکنوں سے بالاتر ہو کے رہنے کے لئے ذریعہ بنائیں۔ بڑے افسروں کی اس آزادی سے کئی فتنے اٹھتے ہیں: اولاً: ہر اونچا عہدہ دار اپنے دماغ میں رعونت کو پرورش دیتا ہے اور ماتحت ملازمین کو اور پبلک کے افراد کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ثانیاً وزیروں، گورنروں، کمشنروں، محکموں کے ڈائرکٹروں اور دوسرے بڑے افسروں کا ٹھاٹھ باٹھ اس امر میں روک بن جاتا ہے کہ ماتحت ملازمین اور پبلک اپنی ضروریات اور شکایات کو ان تک پہنچا سکیں۔ ثالثاً بڑے افسروں کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر ماتحت کارکنوں میں اسراف کا ذوق بیدار ہونے لگتا ہے۔ ان کی تنخواہیں جب اس ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہیں ہوتیں تو پھر وہ رشوت ستانی وغیرہ سے مدد لیتے ہیں۔ رابعاً حکومت کے اکابر اور عہدہ داروں کا مسرفانہ رویہ پوری پبلک کو اسراف کی ترغیب دلاتا ہے۔ ان سارے فتنوں سے بچنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ کارکنان حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کو چھوڑ کر عام لوگوں کی طرح کا رہن سہن رکھیں اور خدا کے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

اس معاملے میں بھی خلافت راشدہ کے دور سے ہمیں واضح عملی رہنمائی ملتی ہے۔ وہاں نبی صلعم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ایسی بلند اخلاقی روایات قائم کر دی تھیں جن سے روگردانی کرنے کی جرأت کسی کو نہ تھی۔ آنحضرتؐ کے بعد آپ کے خلیفۂ اول نے ان روایات کی پوری طرح پاسداری کی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کے عمال کے معیار زندگی کے متعلق ایک مستقل ضابطہ بنا دیا۔ آپ دور عمرؓ کے ان ضابطوں کی Public-services-code کا اگر جائزہ لیں تو اس میں عامۃ الناس کی زندگی کے خلاف واضح امتناعی احکام ملیں گے۔

ایک خطبہ میں حضرت عمرؓ نے عمال کو ہدایات دیں کہ:۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین	سن لو کہ میں نے تم کو حکمران اور سخت گیر بنا کے
ولکن بعثتکم ائمۃ الھدیٰ یھتدیٰ	نہیں بھیجا ہے بلکہ تمہیں ہدایت کا امام بنا کر مقرر کیا
بکم، فادروا علی المسلمین حقوقھم	ہے تاکہ لوگ تمہارے ذریعے ہدایت پائیں لہٰذا
ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم	۱۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔
فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب	۲۔ ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہو جائیں۔
دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم	۳۔ ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ وہ غلط فہمی میں پڑ جائیں۔
ولا تستاثروا علیھم فتظلموھم	۴۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں۔
	۵۔ ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ اس طرح ان پر ظلم کرنے لگو گے۔

اس خطبہ میں پانچویں ہدایت خاص طور پر قابل توجہ ہے اور اس کی تفصیل ان احکام میں ملتی ہے جو حکام و عمال کے پروانۂ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور انہوں نے ہر عامل سے ان کی پابندی کا عہد لیا جاتا تھا۔ شرطیں یہ تھیں: ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گے، باریک کپڑے نہ پہنو گے، چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھاؤ گے، اور دروازے پر دربان نہ رکھو گے، اہل حاجت کے لئے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو گے۔

اس دور میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کے یہی مظاہر تھے اور ان کو اسلامی حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے قانوناً ممنوع ٹھہرایا گیا تھا۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر کارکن کے خلاف ایک مرتبہ دربارِ خلافت میں کچھ شکایات آئیں تو ان میں سے ایک یہ تھی کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو ایسی غذا ملتی ہے جو عام مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوتی۔[1] اتفاق سے باقی الزام غلط نکلے اور یہی ایک صحیح ثابت ہوا۔ عدلِ عمرؓ نے لونڈی ان سے الگ کرا دی۔

ایک مرتبہ عیاض بن غنم عامل مصر کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اور دروازے پر دربان بھی رکھتے ہیں۔ عامل موصوف کو مرکز میں پکڑ بلوایا گیا، عین اس حال میں کہ باریک لباس بدن پر موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے وہ لباس اتروا کر گزریوں کا دری جبہ پہنوایا اور کہا کہ جاؤ تم جنگل میں بکریاں چراؤ، انسانوں پر حکومت کرنے کے تم اہل نہیں ہو۔ عیاضؓ صدقِ دل سے توبہ کرنے پر ان کو منصب پر بحال کیا گیا۔

اسی طرح کوفہ میں سعد بن وقاص نے اپنے لئے ایک عالیشان مکان بنوایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ خلیفۂ ثانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس ٹھاٹھ کی تعمیر کو اہلِ حاجت کے لئے روک سمجھا اور محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاؤ اس ڈیوڑھی کو جا کر آگ لگا دو۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے بیٹھے دیکھتے رہے۔

آج کے دور کے لئے ان روایات سے جو چیزیں اخذ ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ حکام و عمال کو سرکاری ڈیوٹیوں کی انجام دہی کے لئے تو اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع و وسائل مہیا ہونے چاہییں، لیکن ان کو شخصی اور گھریلو زندگی کے معیار کو کبر اور اسراف کی حد تک جانے سے قانوناً روکا جانا چاہیے۔ ایک مسلم مملکت کے حکام کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ قالینوں اور عمارتوں کی جنتیں بسا کے بیٹھیں، نوکروں اور خادموں کے بیڑے بھرتی کریں، زندگی کے چند لمحے بسر کرنے کے لئے اونچے ایوان تعمیر کرائیں، اور لمبے چوڑے احاطے گھیر کر بیٹھیں، رقص اور سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوز ہوں اور شرابیں پئیں۔ وہ سڑکوں پر نکلیں تو ہزاروں کارکن مختلف انتظامات میں مصروف ہو جائیں، وہ جہاں قیام کریں وہاں پولیس کے پہرے ہوں اور سی، آئی، ڈی کے کارکن موہوم خطرات کو سونگھتے پھریں، وہ کسی سڑک سے گزریں تو وہ سڑک پبلک کے لئے حرام

---

[1] آج کتنے ہی کارکنانِ حکومت ایسے ہوں گے جن کے کتوں کو عام مسلمانوں سے کئی گنا بہتر غذائیں اور دوائیں ملتی ہوں گی، لیکن کوئی عمرؓ موجود نہیں جو اس صورتِ حالات کو بدل دے۔

شہر ادبی جائے وہ اگر کسی تقریب میں شریک ہوں تو ان کے لئے آرائشی دروازے نصب کئے جائیں، جھنڈیاں اور بیش قیمت قالین زمین پر بچھا دئے جائیں، وہ کسی مجلس میں تشریف لائیں تو نعرے لگائے جائیں اور خوشامدانہ سپاسنامے ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں، کوئی غریب صاحب حاجت مند ان سے ملنے کی کوشش کرے تو اسے روکنے کے لئے قدم قدم پر پیشگی مادہ موجود ہوں کسی اسلامی حکومت کے کارکن اگر اس روش پر چلیں تو ان کو یقیناً سزا ملنی چاہئے۔

اس مصنوعی زندگی سے جب تک ہمارے حکام الگ نہ ہو جائیں، ان کے ہاتھوں سے نہ بر وقت کی وہ خواہش ہی نہیں سکتی جو غریب عوام اور ماتحت ملازمین کے لئے ان تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر اسلامی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہونے ہی نہیں پاتا اسلامی نظام میں بہرحال کارکنان حکومت کے لئے کبر و نخوت اور اسراف و تبذیر کی زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ حکام کو کارکنوں اور پبلک سے الگ ایک عالم بالا میں رہنے کی اجازت دی جا سکتی

اسلامی حکومت اپنے عمال احکام سے یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت کارکنوں اور عام شہریوں کے لئے نہ صرف یہ کہ اپنے دروازے کھلے رکھیں، بلکہ ایک عام مسلمان کی طرح ان سے روابط قائم کریں یہاں تک کہ خلیفۂ دوم کے دور میں ایسے حکام و عاملین کو برطرف کر دیا جاتا تھا جو بیمار مسلمانوں کی عیادت کو نہ جائیں چنانچہ یہاں اس طرزِ عمل کا کوئی موقع نہیں ہے جو آج رائج ہے کہ ہمارے اکابر حکومت اور حکام عملاً نہ تو عہدوں میں جنہیں نہ عوام سے ملیں جلیں۔ لوگوں کی مشکلات کو براہ راست جا کر معلوم کریں، نہ اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رکھیں، بلکہ ان کو جن شکایات اور ضروریات کا علم ہو بھی جائے ان کے بارے میں اپنا فرض ادا کرنے پر اس وقت تک تیار نہ ہوں، جب تک کہ پریس اور اسٹیج سے ایک طوفان پبلک کی طرف سے بپا نہ کر دیا جائے۔

حقوق محنت کا تحفظ: معاشی ناہمواریوں کو پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب صنعتی مزدوروں کی حق تلفی ہے۔ ہمارے صنعتی مزدوروں کا حال یہ ہے کہ وہ سرمایہ کے نخاس میں اپنے آپ کو بردے اور غلام بنا کر بیچتے ہیں، اور نہایت اذلال سمجھتے ہیں، خریدنے والے ان ابنائے آدم کو خرید کر یا لوا نی کی طرح استعمال کرنے میں جیسے کوئی شتربان بہت سے اونٹ پال لیتا ہے یا کوئی جمال گدھے خرید لیتا ہے اور پھر انہیں روپیہ کما کر ان پر کم سے کم

صرف کرتا ہے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے کرخندار انسانوں کے گلے کے گلے پال کر ان کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں اور پھر اس کمائی میں وہ کم سے کم حصہ ان پر صرف کرتے ہیں جو انہیں اُن کی خدمات کے لئے زندہ رکھے۔

مارکس نے کتاب سرمایہ میں نظریہ قدر زائد (Surplus value-theory) کی روشنی میں سرمایہ داری کے ظلم کی جو حقیقت واضح کی ہے وہ بجائے خود ایک حقیقت ہی ہے۔ اگرچہ اس کی تعبیر میں مارکس کی نگاہ بھٹک گئی۔ وہ مصنوعات (Comodities) کی ساری قدر (Value) کو محنت (Labour) کا نتیجہ شمار کرتا ہے حالانکہ درحقیقت سرمایہ محنت دونوں کے باہمی تعاون سے مصنوعات اور ان کی قدر نمودار ہوتی ہے اور یہ دونوں منافع کے والدین ہیں۔ ان میں کوئی ایک تنہا نہ مصنوعات کو وجود دے سکتا ہے، نہ قدر کو، نہ منافع کو۔ ظلم جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ اپنے غلبہ کی وجہ سے محنت کا حق مارلے جاتا ہے اور اسے شریک کار کی حیثیت دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ اس ظلم کو مارکس نے واضح کرنے کے لئے مبالغہ آمیز طریق استدلال استعمال کیا ہے۔

مارکس کے فلسفہ میں زیادتی موجود ہے یا نہیں۔ نظام سرمایہ داری میں مزدور پر بہرحال زیادتی ہورہی ہے اور اس زیادتی کے چند نمونے یہ ہیں

(۱) مزدوروں کے معاوضے بالعموم ان کی ناگزیر ضروریات پورا کرنے سے بھی کم رہتے ہیں۔

(۲) ان کو اپنی طبعی قوت کارکردگی سے زیادہ وقت کام کرنا پڑتا ہے۔

(۳) بعض کام مزدوروں کی صحت کو مستقلاً تباہ کرتے ہیں اور کبھی ان کے بعض اعضا ضائع ہوجاتے ہیں۔

(۴) ان کو رہنے کے لئے تنگ اور مضر صحت مکانات فراہم کئے جاتے ہیں۔

(۵) ان کو بیماری میں علاج کی سہولتیں بہم نہیں پہنچتیں۔

(۶) ان کے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔

حکومت پر چونکہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے قانون اور اجتماعی ماحول دونوں ان حالات کو قائم رکھنے کا پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مزدوروں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ تنظیم کی قوت سے سرمائے کے خلاف خونی جنگ لڑیں اور اپنے حقوق وصول کریں لیکن اسلامی خلافت میں حکومت چونکہ سرمایہ و محنت

میں تعاون اور توافق پیدا کرنے کی ضامن ہے اور محنت کے حقوق اصولی حیثیت سے مقرر ہیں۔ اس لئے نظام اسلامی طبقاتی تصادم سے پاک رہتا ہے۔

ہمارے پاکستان میں مزدور کی آج جو حق ماریاں ہو رہی ہیں، ان کو اسلام جاری رہنے نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ مزدور کی حق ماریاں نہیں، خود اسلام کی حق ماریاں ہیں:

مزدوروں کو جو لوگ آج جانوروں کی طرح استعمال کرتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شارع علیہ السلام نے جانوروں کے لئے بھی جو حقوق مقرر کئے ہیں، وہ بھی ان حقوق سے زائد ہیں جنہیں نظام سرمایہ داری نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔ جانوروں کی خدمات سے استفادہ کرنے والوں سے نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ:

(۱) چاہئے کہ جانور سواری کرتے وقت تر و تازہ ہوں اور کام لینے کے بعد تر و تازہ حالت ہی میں ان کو کھول دیا جائے۔

(۲) ان کے چارے، پانی اور جگہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔

(۳) ان کو لعنت نہ کی جائے اور بے جا مارا نہ جائے۔

صرف اول الذکر ہدایت ہی کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس میں بہت سی باتیں شامل ہیں۔ جانور تر و تازہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بدن کی ضروریات پوری کی گئی ہوں اور اس پر اس کی قوت سے زائد بار نہ ڈالا گیا ہو، پھر تر و تازہ حالت پر چھوڑ دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اعتدال سے خدمت لی جائے۔

پھر نبی صلعم نے ایک عورت کو محض اس بنا پر دوزخ کا مستحق بنایا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا لیکن اسے کھانے پانی سے محروم رکھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو انسانوں کی زندگیاں سرمائے کے کھونٹے سے باندھ رکھتے ہیں اور پھر ان کو اور ان کے بچوں کو نیم فاقہ کی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں، ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ جس خدا کو اپنی پیدا کی ہوئی ایک بلی کا بھوکوں مرنا سخت نامرغوب ہے، اس کے ہاں اپنے پیدا کئے ہوئے انسانوں کی فاقہ مستیوں پر کتنا غصہ ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جس نبی نے جانوروں پر ان کی قوت سے زیادہ بار ڈالنے کو ممنوع ٹھیرایا ہے اور ان کو تر و تازہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اس کی شریعت میں انسانوں کی قوت و صحت کا کیا کوئی لحاظ نہ ہوگا؟ یقیناً ہے۔

چنانچہ غلاموں اور خادموں کے حقوق کی جو تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں، ان سے آج مزدوروں کے حقوق کو متعین کیا جا سکتا ہے، ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی ھریرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمملوک طعامہ وکسوتہ ولا یکلف من العمل مالا یطیق

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام و خادم کے لئے خوراک اور لباس چاہئے اور اس پر ایسے کام کا بار نہ ڈالا جائے جس کی وہ قوت نہ رکھتا ہو۔

(۲) معرور بن سویدؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ سے ان کی ملاقات اس حال میں ہوئی کہ وہ اور ان کا خادم دونوں ایک سی بردیمانی قیمتی قسم کی چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔ معرور بن سویدؓ نے اس صورت واقعہ کو دیکھ کر حضرت ابوذرؓ سے خادموں کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب میں نبی صلعم کا یہ ارشاد نقل کر دیا کہ:۔

"ھم اخوانکم وخولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم من العمل ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم علیہ (التحفۃ الانسانی)

یہ لوگ تمہارے بھائی اور خادم ہیں، انہیں اللہ نے تمہارے زیر نگین کیا ہے پس جس شخص کے زیر نگین اس کے کسی بھائی کو کر دیا گیا ہو اسے چاہئے کہ وہ جیسا کچھ خود کھاتا ہے اسے کھلائے جیسا خود پہنتا ہے اسے پہنائے اور ان پر زیادہ محنت کا کام نہ ڈالو، اگر مجبوراً ڈالو تو پھر ساتھ ہو کر خود ان کی مدد بھی کرو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ احکام غلاموں کے بارے میں خصوصیت سے تھے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آج کے مزدور "اخوانکم" کی تعریف میں نہیں آتے؟ کیا "جعلھم اللہ تحت ایدیکم" کی صفت ان میں بھی نہیں ہے؟ کیا ان پر ان کی قوت سے زیادہ بھاری کاموں کا بار ڈالنا چاہئے؟ ...... اگر نہیں تو پھر طعام اور لباس کے بارے میں یہی اصول یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی اپنی طرح اوسط درجے کی صالح غذا اور صاف ستھرا لباس فراہم کرنا ضروری ہے ——— اور ان کے معاوضے ایسے ہونے چاہئیں کہ ان کے بل پر بھی زندگی گذر سکیں۔

(۳) بخاری، ابوداؤد، ترمذی کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

اذا اتى احدكم خادمه بطعامه	اگر تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرکے لائے
فان لم يجلسه معه فليناوله	تو وہ خادم کو اپنے ساتھ کھانے کے لئے بٹھائے تو کم سے
لقمة او لقمتين او اكلة او	کم ایک دو لقمے تو اسے کھلا دے ۔۔۔ کیونکہ اس نے
اكلتين فانه ولى حره وعلاجه	گرمی اور پکانے کی تکلیف گوارا کی ہے۔

یعنی خادم یا ملازم نے جو کھانا آقا کے لئے پکایا ہو اس میں سے اسے بھی حصہ ملنا چاہیے ۔۔۔۔ معاملہ کے دوسرے پہلو چاہے کچھ ہوں۔ ورنہ بالعموم خدام خیانت کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس حدیث سے ایک اشارہ بعیدیہ ملتا ہے کہ کسی کارندے سے اگر ضروریات زندگی میں سے کسی کی تیاری کا کام لیا جا رہا ہو تو خود اس کارندے کی وہ ضرورت انچھی نہ رہنی چاہئے بلکہ اپنی محنت سے تیار کردہ مصنوعات میں سے اسے بطور عطیہ و ہدیہ کے کچھ نہ کچھ حصہ ملنا چاہیے۔ یہ حدیث جس اخلاقی رجحان کو ابھارنا چاہتی ہے، اس کی اہمیت سرمایہ دارانہ نظام میں بھی کچھ نہ کچھ ملحوظ رکھی جاتی ہے مثلاً مدرسین کے بچوں سے تعلیم کی فیس نہیں لی جاتی یا ریلوے ملازمین کو سفر کی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ اسی طرح بعض صنعتی کارخانوں میں مزدوروں کو وہاں کی مصنوعات ارزاں نرخوں پر دی جاتی ہیں، وغیرہ!

یہ بہرحال ظلم ہے کہ ایک مزدور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے کپڑا تیار کرے اور خود اس کا تن نہ ڈھکے، ایک کارخانے کے کارکن کروڑوں ابنائے نوع کے لئے کونین کی ٹکیاں بناتے رہیں، لیکن خود ان کے بچوں کو ملیریا سے بچنے کے لئے کونین نہ ملے۔ اخلاقاً چاہیے یہی کہ ہر کارخانے کے مزدوروں کو ان کی مصنوعات میں سے کچھ حصہ بطور ہدیہ ملے یا کم سے کم ارزاں نرخوں پر حاصل ہو۔ یہ مسلکِ احسان اجیر اور مستاجر کے درمیان قرب اور محبت کو بڑھانے والا ہے اور اسی وجہ سے اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

۴۔ نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ غلاموں اور خادموں کو ایک ایک دن میں ان کے ستر ستر قصوروں پر معافی دی جائے

(۵) ابو داؤد و نسائی کی روایت ہے کہ:

امر رسول الله صلعم يوما بالصدقة	ایک دن نبی صلعم نے صدقے کی نصیحت کی۔
فقال رجل يا رسول الله عندي دينار	ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک
قال تصدق به على نفسك قال عندي	دینار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی جان پر صدقہ کر۔ اس

آخر قال تصدق به على ولدك قال
عندي آخر قال تصدق به على زوجتك
قال يا رسول الله عندي آخر قال تصدق
به على خادمك قال عندي آخر قال
انت ابصر به۔

نے پوچھا کہ ایک اور دینار بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے
بچے پر صرف کر۔ اس نے کہا ایک اور بھی ہے آپ نے
فرمایا اپنی بیوی پر صرف کر۔ اس نے کہا میرے پاس اور
دینار بھی ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے خادم پر صرف کر
اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک اور دینار
بھی رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو
خود ہی فیصلہ کرلے!

اس روایت کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ذات اور اہل و عیال کے بعد اپنے خادموں، ملازموں اور مزدوروں کے حقوق پورے کرنے چاہئیں اور اس کے صدقات کے لیے یہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کارخانہ داروں کے کاروباری اور گھریلو اموال کی زکوٰۃ اور ان کے دوسرے صدقات خود ان کے مزدوروں پر صرف ہونے چاہئیں۔

(۷) حضرت عمرؓ کے اسوہ میں بھی ایک مثال ذمیوں کے بارے میں ملتی ہے آپ نے ایک بوڑھے ذمی کو گداگری کرتے دیکھا تو آپ کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے لیے ٹھیک نہیں ہے کہ ایک شخص کی جوانی کے زمانے میں تو ہم ذمہ ٹیکس کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن جب وہ معذور ہو جاتے ہیں اسے ذلت و خواری میں چھوڑ دیں چنانچہ آپ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

یہاں سے یہ بنیادی اصول ملتا ہے کہ جس شخص کی جوانی اور صحت کی حالت میں کوئی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہو اس پر اگر بڑھاپے یا معذوری یا بیماری کی حالت طاری ہو جائے تو استفادہ کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس کی کفالت کرے۔ شارع کی ان ہدایات کو اگر ملحوظ رکھ کر اصول طے کیے جائیں۔ حقوق محنت یہ قرار پاتے ہیں۔

۹- ایسا معاوضہ دیا جانا چاہیے جو نہ صرف ان کے جسم و جان کا رشتہ ہی برقرار رکھے، بلکہ ان کی صحت اور تروتازگی کو بھی بحال کرے۔

ب- رہن سہن کے ایسے انتظامات مزدوروں کو فراہم کرنے چاہئیں جو ان کے کنبے کی صحت کے لیے تباہ کن

نہ ہوں۔

ج۔ بیماری میں ان کے علاج کا انتظام ہونا چاہئے ۔۔۔۔ ورنہ تروتازگی کیسے رہے گی۔

د۔ ان سے ایسا اور اتنا کام لینا چاہئے جس سے ان کی صحت نہ گرے اور ان کی قوت کارکردگی ضائع نہ ہو۔

س۔ ان کی کوتاہیوں پر سختی کرنے کے بجائے نرم ہمدردانہ سلوک کرنا چاہئے۔

ش۔ جو مصنوعات ان کی سعی سے تیار ہوں ان میں سے کوئی حصہ ان کو ہدیہ کیا جائے یا انعام دیا جائے۔

ص۔ [illegible] کے صدقات کو صرف مزدوروں کی تعلیم، ان کے علاج، ان کی ناگہانی ضروریات، ان کے بچوں کی تربیت وغیرہ پر صرف ہونا چاہئے۔ قرآنی صدقہ فطر اور کفارہ [illegible] کے اولین مستحق بھی یہی لوگ ہیں۔

ض۔ بیماری میں مزدوروں کو الاؤنس اور بڑھاپے اور ناکارگی کی حالت میں پنشنیں ملنی چاہئیں۔

ان اصولوں کی روشنی میں آج اسلامی حکومت کو بس سرمایہ اور محنت کو [illegible] منصفانہ طریق سے حقوق متعین کرنا ہوگا اور ان کے تحفظ کے لئے ایک ضابطہ مرتب کرنا ہوگا تاکہ اگر کسی کی حق تلفی ہو تو وہ اپنا حق حکومت کی مدد سے بھی وصول کر سکے۔

بڑے کارخانوں میں جہاں (مثلاً ۵۰۰ سے زیادہ کارکن کام کرتے ہوں) حکومت یہ لازم ٹھہرا سکتی ہے کہ وہاں سرکاری نقشے کے مطابق مکانات بنا کر مزدوروں کی بستی بسائی جائے، وہاں سرکاری اسکیم [illegible] کے مطابق ایک مدرسہ اور ایک ہسپتال قائم کیا جائے اور ان کا انتظام اگرچہ حکومت کے ہاتھوں میں ہو لیکن ان کے مصارف کارخانہ سے وصول کئے جائیں۔ چھوٹے کارخانوں اور عام ملازمتوں [illegible] کے علاج اور تعلیم کے مصارف کا بل ان سے کام لینے والوں کے ذمے ڈالا جائے ۔۔۔ الا یہ کہ وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں اور حکومت ان کی جگہ بیت المال سے روپیہ صرف کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر مزدوروں کی سوسائٹی اسلامی بنیادوں پر اخلاق کے ذریعے منظم کی جائے [illegible] اور مزدوروں میں اسلامی اخوت کے روابط استوار رکھے جائیں تو موجودہ ناہمواریوں اور حقیقی تصادم کے تمام نشانات مٹ جائیں۔

ایسے کارخانہ دار جو حکومت کی ہدایات کے مطابق [illegible] یا مزدوروں کے حقوق [illegible] مسلسل حق تلفی کریں ان کے کارخانوں کو ایک مقررہ مدت کے لئے حکومت کی تحویل میں لینے کا ضابطہ ہو۔

ہونا چاہئے جس کے تحت ان کو اسلامی اخلاق اور احترام حقوق اور ذمہ داری کی تربیت دی جاسکے۔

مزدوروں کے لئے بیت المال کی پشت پناہی: اسلامی حکومت کے تحت مزدوروں کو اپنی محنت ارزاں نرخوں اور گھٹیا شرائط پر بیچنے سے بچانے کا بہترین ذریعہ بیت المال کی پشت پناہی ہے۔ بیت المال زکوٰۃ اور صدقات اور فے اور غنیمت کی بے حساب رقوم لئے جب اہل محنت کی مدد کو موجود ہو کہ اگر وہ بے روزگار یا معذور ہوں گے تو ان کی اپنی حکومت ہمہ تن ان کی کفالت کے لئے موجود ہے تو محنت کا نرخ بہرحال چڑھ جائیگا اور ان کو جانوروں کی سطح پر آکر سرمایہ داروں سے معاملہ کرنے کی مجبوری سے نجات مل جائے گی۔ اس صورت میں وہ ہڑتالوں اور احتجاج کے مظاہرات کو زیادہ باوزن اور دندانی بنا سکیں گے اور سرمائے کی قوت کا زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے ...... تو پھر اس کی ضرورت ایک تربیت یافتہ سوسائٹی میں پیش نہیں آسکتی۔

حکومت ایسے انتظامات بھی کرسکتی ہے کہ وہ ہر کارخانے کے کارکنوں کے مشاورتی بورڈ مرتب کرا دے اور پھر ان بورڈوں کو ایک مرکزی ادارہ موجود ہو جس میں ہر صنعت کے مخصوص مسائل اور اس کے مزدوروں کی ضروریات کے بارے میں اصلاح و ترقی کی مختلف اسکیمیں مرتب ہوں اور سرمایہ و محنت کے تعاون کو نشوونما دینے کے لئے پروگرام بنیں اور وہ اسلامی نظام حکومت کی مجلس شوریٰ کے سامنے سفارشات کی صورت میں پیش ہوں۔ اس طرح محنت کی حق ماریوں کا بآسانی خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

ان ساری تدابیر میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اہل سرمایہ اور اہل محنت کے درمیان کسی طرح کی طبقاتی تقسیم کا وجود نہ تو تسلیم کیا جائے اور نہ اسے فروغ پانے میں مدد بہم پہنچے۔ امت کی وحدت کو اصولاً ایک حقیقت قرار دے کر اسی کو فروغ دینا پیش نظر ہو۔ ورنہ اصلاح شدہ بجائے الٹا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

رسائل و مسائل !

الیکشن اور خواتین

سوال :-

حق رائے دہی بالغاں Adult franchise کے تحت ہماری حکومت نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی ووٹر قرار دیا ہے۔ کیا آپ الیکشن میں عورتوں کی شرکت کو صحیح سمجھتے ہیں؟ اور پھر کیا آپ ان کے لئے ملت کی نمائندگی اور وزارت وغیرہ کا حق بھی تسلیم کرتے ہیں؟ اس معاملہ میں بہت سی ذہنی الجھنیں پائی جاتی ہیں۔ مسئلے کی اگر وضاحت ہو جائے تو اچھا ہے۔

جواب :- اس مسئلے میں چونکہ قوم کے ذہین طبقوں میں دو متضاد طرزِ فکر پائے جاتے ہیں: ایک خالص اسلامی اور ایک خالص مغربی اور ان کے درمیان نظری اور سیاسی دونوں میدانوں میں کشمکش ہو رہی ہے، پھر ان دو نظریوں کے درمیان ایک تیسرا نظریہ نیم اسلامی، نیم مغربی قسم کا بھی موجود ہے، بنا بریں خواہ مخواہ ذہن الجھتے ہیں۔ اس الجھن کا حل صرف یہ ہے کہ یا تو اسلام کو ترک کر کے لوگ دینِ مغربیت سے فتوے لیں یا ہر طرف سے نگاہیں ہٹا کر اسلام کی طرف یکسو ہوں اور اس سے معلوم کریں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟

اس طرح اگر راست فکری (Straight thinking) سے کام لیا جائے تو فی الحقیقت کوئی الجھن نہیں ہے۔ یہاں بالکل اجمال سے اسلام کا نقطۂ نظر آپ کے سامنے عرض کیا جاتا ہے۔

اشارۂ اول :- اسلام نے مردوں اور عورتوں میں ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے تقسیم کار کر دی ہے۔ مرد کے کاندھے پر سیاست و تمدن کے معاملات کا بار ڈالا ہے اور عورتوں پر تربیتِ نسل یا "انسان سازی" کا فریضہ عاید کیا ہے۔ عورتوں کے سیاست میں شریک نہ ہونے سے کوئی خلل نہیں آتا، لیکن اگر وہ سیاسی خدمات انجام دینے کے لئے گوشت کے مجسموں کو انسان بنانے کے آرٹ سے کنارہ کریں تو تعمیرِ ملت Nation Building کے پروگرام کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

چنانچہ اسلام نے عورت کو سیاست و تمدن کے ٹھوس کاموں سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ:-

"وقرن فی بیوتکن" اپنے گھروں میں قرار سے رہو!

اسلام کے نظریہ کی یہ ایک اعلیٰ ترجمانی تھی کہ نبی صلعم نے ایک حدیث میں واضح کر دیا کہ جب "وامورکم الیٰ نساءکم" کی کیفیت پیدا ہو تو روئے ارض سے بطنِ ارض تمہارے لئے بہتر ہے۔ مراد یہ کہ اس صورت کے نمودار ہونے سے وہ تقسیم کار ختم ہو جاتی ہے جسے فطرت اور اسلام نے چاہا ہے اور جس پر سیاست و تمدن کی ترقی کے ساتھ نسل انسانی کی صحیح تربیت کا دارومدار ہے پس عورتوں کے سامنے وزارت اور نمائندگی ملت وغیرہ کے مقاصد کو لا رکھنا ایک مہلک حرکت ہے۔

اشارہ دوم:- یہ بجائے خود ایک اہم اور قابلِ غور معاملہ ہے کہ اسلامی نظام میں عورتوں کی ایک مستقل نمائندہ اسمبلی مرکزی مجلسِ شوریٰ سے الگ موجود ہونی چاہیئے۔

واقعہ یہ ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ خلافت میں جب کوئی مسئلہ ایسا سامنے آیا ہے کہ اس میں عورتوں کے مشورہ کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسے مردوں نے خواتین سے مشورہ کئے بغیر طے نہیں کیا۔ پس آج ایک وسیع مملکت کے پیچیدہ تر معاملات کو چلانے کیلئے خواتین کی تعلیم یا بچوں کی تربیت اور دوسرے نسوانی مسائل میں بصیرت رکھنے والی خواتین کی ایک منظم مجلس سے مشورے حاصل کرنا حکومت کیلئے صحیح طریق کار ہوگا۔ یہ صورت علیحدگی صنفین (Separation of Sexes) کے اسلامی نظم میں بھی کوئی خلل نہیں لاتی۔

اشارہ سوم:- جہاں تک عورتوں کے ووٹ دینے کے حق کا مسئلہ ہے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ ایک نظیر اسکے حق میں موجود ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ازواجِ مطہراتؓ اور دوسری ذی فہم خواتین کے دروازوں پہ جا جا کر ان سے رائیں طلب کی ہیں۔ اگر خواتین کی رایوں سے پرہیز کرنا لازم ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے اور کرتے تو صحابہ کی سوسائٹی بہرحال ان کو ٹوکتی۔

درحقیقت آیتِ استخلاف میں خدا تعالیٰ کی نیابت خلافت کیلئے جا نیکا وعدہ پوری امت سے یعنی ہر مسلم سے ہے۔ ملت کی اس دولتِ مشترکہ میں عورتیں بھی بہرحال حصہ دار ہیں۔ ووٹ دینے کے معنی یہ ہیں کہ افرادِ امت اپنے اپنے حصے کی خلافت کو ایک فردِ واحد — امیر — کی تحویل میں دے رہے ہیں۔ اس لحاظ خواتین کو ووٹ دینے کے حق سے محروم کرنے کیلئے کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی۔

(بقیہ بر صفحہ ۲۵)

بقیہ اشارات

پر نگاہیں مرتکز ہوں گی، وہاں جماعت گروہی عصبیتوں سے بے نیاز ہو کر صالحیت' کا پورا پورا ساتھ دیگی۔ یہ معلوم رہے کہ صالحیت کا محدود تصور ہمارے سامنے نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، صالح آدمی اس معنی میں مطلوب ہیں کہ اسلامی نظام کو چلانے کے لئے جن ذہنی، اعتقادی اور اخلاقی صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ ان میں قابل اطمینان حد تک بر سرِ عمل ہوں۔ یہ بھی واضح رہے کہ جماعت صرف ایسے قابل اعتماد نمائندوں کا ساتھ دے سکتی ہے جو پرائیویٹ اور پبلک دونوں دائروں میں یکساں صالح ہوں اور جن کی انفرادی زندگی اور اجتماعی سرگرمیوں میں تضاد موجود نہ ہو، نیز جو ایسی سیاسی گروہ بندیوں سے وابستگی ختم کر چکے ہوں جن کے مقاصد، جن کے اصولِ تنظیم یا جن کے طریقہ ہائے کار اسلام کے خلاف ہوں یا اسلام کی ہدایت سے آزاد ہوں ـــ ورنہ یہ کچھ بعید نہیں کہ کمیونسٹ پارٹی کے امیدوار بھی نماز روزہ کا نمائشی لبادہ اوڑھ کے میدان میں نمودار ہو جائیں۔

ایسے حلقے جہاں اسلام کے معیارِ صالحیت کے مطابق کوئی ایسا شخص نامزد نہ ہو سکے جو پوری طرح قابل اطمینان ہو، وہاں عوام کی نمائندگی کے لئے فساق و فجار کے مقابلے میں ایسے فرد کو جماعت غنیمت شمار کرے گی جس میں "معصیت فاحشہ" یعنی اسلام سے کھلا انحراف موجود نہ ہو۔ ایسے حلقوں میں جماعت کے لوگ اپنے ووٹ بہر حال بہتر فرد کو دیں گے اور اگر کوئی اُن سے مشورہ طلب کرے گا تو پرائیویٹ طور پر اپنی رائے بتا دیں گے، لیکن جماعت بہ حیثیت جماعت کوئی خاص جدوجہد ایسے مواقع پر نہ کریگی، کیونکہ اس طرح عوام کی طرف سے جو بھاری ذمہ داریاں جماعت پر عائد ہوتی ہیں وہ بغیر اس کے سر نہیں لی جا سکتیں کہ ایک شخص کے علم و بصیرت اور سیرت و کردار پر پورا پورا بھروسہ ہو۔

اگر کہیں (ایک مفروضہ کے طور پر) خدانخواستہ عوام کے اندر سے کسی صالح آدمی کو ابھارنے کے لئے حالات بالکل ہی ناسازگار رہوں اور فسق و فجور کی طاقت پوری طرح فضا پر چھا جانے میں ہماری ساری کوششوں کے علی الرغم کامیاب ہو جائے تو ہمارے لئے شریعتِ اسلامیہ کی رہنمائی یہ ہے کہ ہم کسی غیر اسلامی ذہنیت و سیرت رکھنے والے فرد کو نہ خود ووٹ دیں نہ دوسروں کو اس کا مشورہ دیں! بلکہ جن صالح رائے دہندگان کو ہم فسق کے ہنگامۂ انتخاب کی نجاستوں سے دور ہٹا سکیں، ضرور ہٹائیں۔

گزشتہ انتخابات میں نظام باطل کے فاسقانہ الیکشن سے شریعت اسلامیہ کے تقاضے کے مطابق ہم نے جو علیحدگی اختیار کی تھی، اُس پر اگرچہ اُس وقت بڑی لے دے ہوئی تھی، لیکن بعد میں بہت جلد ہمیں محسوس ہوگیا کہ علیحدگی کی اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت و شفقت کام کر رہی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد قوم کے نمائندوں نے جو کارگزاریاں انجام دی ہیں اُن کو دیکھ کر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے ہاتھ ان حضرات کو اقتدار دلانے میں شامل نہیں ہیں اور آج ہم پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان حضرات کی لوٹ مار، ان کی چور بازاریوں، ان کی رشوت ستانیوں، ان کی ناجائز الاٹمنٹوں، ان کی جاہ طلبی کی سازشوں کے طوفانِ معصیت میں جماعت اسلامی کے کسی فرد کا کوئی حصہ رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے۔

کسی فاسق و فاجر آدمی کو ووٹ دینا نہ اسلام کی خیر خواہی ہے اور نہ پاکستان کی، بلکہ یہ دونوں کو تباہ کرنے کی سازش میں حصہ لینے کے برابر ہے۔ ایک نااہل آدمی کو ووٹ دینا دراصل اسلام اور پاکستان دونوں کے سینے میں گولی مارنے کے برابر ہے۔ دین اور قوم کی یہ خدمت نہ جماعت اسلامی کا کوئی فرد خود انجام دے سکتا ہے اور نہ اس کے کارکن دوسروں کے ہاتھوں اس کارِ خیر کو ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔ اُن سے جہاں تک ہو سکے گا وہ اربابِ فسق کے ہنگامۂ انتخاب سے عوام کو کنارہ کشی کی نصیحت کریں گے۔

جماعت اسلامی کے کارکنوں کا پہلا کام اب یہ ہے کہ وہ صوبہ مغربی پنجاب کے ایک ایک ضلعے اور انتخابی حلقے کے حالات کا ابتدائی جائزہ لینے نکلیں اور عوام کو انتخابات کے بارے میں اسلام کی پیروی کی دعوت دیں۔ پھر وہ حمایتوں اور مخالفتوں کا اندازہ کر کے رائے قائم کریں کہ کہاں کیا حالات ہیں۔ ہمیں متعین طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ کن علاقوں میں ملت کے صالح افراد کو برسرِ اقتدار لانے کے لئے کوئی کوشش یقینی طور پر کامیاب ہو سکتی ہے، کہاں برابر سرابر کی جدوجہد کے امکانات ہیں اور کون کونسے علاقے ایسے ہیں جہاں فسق و فجور کی طاقت کے پاؤں تلے سے زمین ابھی تک نہیں سرکی۔ اس ابتدائی جائزے (Survey) کو پیشِ نظر رکھ کر ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کہاں کس مقدار میں قوت صرف کرنے کی ضرورت ہے

ہر ضلع اور علاقے کے حالات کے پیش نظر کام کا ایک خاص نقشہ تیار کرنا پڑے گا اور اس نقشے کے مطابق کارکنوں اور ذرائع و وسائل کو استعمال کرنا ہوگا۔

ان اشارات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی انتخابات کی مہم میں بالکل نئے اصولوں پر حصہ لینا چاہتی ہے۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو پہلی مرتبہ پاکستان میں کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے ایک جدید تجربہ ہونے کی وجہ سے جماعت کے بہت سے خیر خواہ یہ سوال دریافت کرتے ہیں کہ کیا جماعت کے سامنے کامیابی کے کچھ امکانات بھی ہیں؟

اس سوال کا جواب ترجمان القرآن کے اگلے شمارہ میں عرض کیا جا رہا ہے!

رسائل و مسائل کا بقیہ

(صفحہ ۲۰۴ سے آگے)

نوٹ:۔ ان مسائل میں اپنے اپنے مطالعہ وتحقیق کو تو پیش کیا جا سکتا ہے مگر حرفِ آخر کی حیثیت تو ان فیصلوں ہی کو حاصل ہوگی جنہیں امت کے علمائے صالحین کی ایک منتخبہ دستوریہ اجتہادی بصیرت کے ساتھ طے کر دے۔

اعلان

"چراغ راہ" (کراچی)

قیادت نمبر ——— شائع ہوا ہے

"چراغ راہ" کو ایک مضمون "وزیر اعظم نے نماز جمعہ ادا کی" شائع کرنے پر کراچی کے ایڈمنسٹریٹر صاحب نے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ ماہ کے لئے بند کر دیا تھا۔ اب چراغ راہ کی یہ میعادِ نظر بندی ختم ہو چکی ہے اور یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو اس کے دورِ نو کا افتتاح "قیادت نمبر" سے کیا جائے گا۔ اس نمبر کے مقالات، افسانوں اور نظموں کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلامی نظام کیسی قیادت کے ذریعے چل سکتا ہے اور ہماری موجودہ قیادت اسلام کے معیار پہ پوری اترتی ہے یا نہیں!

ہم جن مشکلات میں سے گذر رہے ہیں ان کے پیشِ نظر اپنے قارئین اور ایجنٹوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ "قیادت نمبر" کی خریداری کے لئے آرڈر درج رجسٹر کرا دیں۔ علاوہ بریں انڈیا اور پاکستان کے درمیان مالیاتی الجھنوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے "چراغ راہ" کو جس شدید نقصان کا اندیشہ ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے خریداروں کے حلقے کو وسیع کرنے میں پوری سرگرمی سے کام لیں۔

کاروباری اصحاب اشتہارات کے لئے قیادت نمبر میں جگہ رکوا لیں۔ چراغ راہ کا سالانہ چندہ ۵ روپے اور فی پرچہ ۸ آنے ہے۔ قیادت نمبر (۱۲۰ صفحات۔ سرورق رنگین) مستقل خریداروں کے لئے دو ماہ کا پرچہ شمار ہوگا اور عام خریداروں کو ۱۲ میں ملے گا۔

جو حضرات بذریعہ رجسٹری طلب فرمانا چاہیں وہ ۴ آنے کی ٹکٹیں روانہ فرماویں۔

غلام محمد مینجر "چراغ راہ"۔ ۹ لوٹیا بلڈنگ، رام باغ روڈ کراچی

OUR ENGLISH LITERATURE :

1. **Towards understanding Islam**—By Sayyed Abulala Maudoodi—This book is a first approach to a systematic and logical understanding of Islam and a good helper to its more extensive study. PP. 231–Price Rs. 3 8

2. **Nationalism & India**—By Sayyed Abulala Maudoodi—This treatise deals with Nationalism and its bearing on Islamic ways of thought and life, and present social and political problem in India. PP. 72–Price As. 12

3. **Political Theory of Islam**—By Sayyed Abulala Maudoodi—Basic theory of State in Islam and some of its important features are brought out in this pamphlet. PP. 64–Price As. 12

4. **Process of Islamic Revolution**—This pamphlet explains how movement of Islam transforms its followers individually and collectively and how a true Islamic State necessarily follows. PP. 56–Price As. 12

5. **Economic Problem of Man & Its Islamic Solution**—By Sayyed Abulala Maudoodi. PP. 56–Price As. 12

6. **The Ethical View-Point of Islam**—By Sayyed Abulala Maudoodi—The original was delivered as a lecture in Islamia College, Peshawar on 26th February, 1944 PP. 56-Price As. 12

7. **What is Islam ?**—By Mohammad Mazhar-ud-Din Siddiqi. PP. 96–Price Re. 1 8

8. **After Secularism what ?**—By Mohammad Mazhar-ud-Din—The aim of this brochure is to present the true conception of God and its practical requirements. PP. 56–Price As. 12

Can be had from :

MAKTABA-E-JAMA'AT-E-ISLAMI

LAHORE

مطبوعات مکتبہ جماعت اسلامی

الجہاد فی الاسلام	(زیر طبع)	ہیگل مارکس اور نظام اسلام	(زیر طبع)
رسالہ دینیات	۱/۸/-	رسالہ دینیات (انگریزی) نیاایڈیشن	۳/۸/-
حقوق الزوجین	۱/۸/-	اسلام کیا ہے (انگریزی) نیاایڈیشن	۱/۸/-
مسئلہ قومیت	۱/۸/-	الحاد کے بعد کیا (")	-/۱۲/-
مسئلہ جبر و قدر	۱/-/-	سلامتی کا راستہ	-/۶/-
تجدید و احیائے دین	۱/-/-	اسلام کا نظریہ سیاسی	-/۸/-
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	۱/-/-	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟	-/۸/-
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	۱/۴/-	انسان کا معاشی مسئلہ	-/۸/-
سیاسی کشمکش حصہ اول	۱/۴/-	اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	-/۶/-
سیاسی کشمکش حصہ دوم	۲/۸/-	نیا نظام تعلیم	-/۶/-
سیاسی کشمکش حصہ سوم	۲/-/-	ہندوستان میں تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل	-/۸/-
اسلام کا نظام حیات	-/۱۰/-	دین حق	-/۶/-
پردہ	۲/۸/-	اسلام اور جاہلیت	-/۶/-
تنقیحات	۲/۸/-	ایک اہم استفتا	-/۳/-
خطبات نیا ایڈیشن	(زیر طبع)	دستور جماعت اسلامی	-/۳/-
تفہیمات	۳/۸/-	روداد جماعت اسلامی حصہ	۱/-/-
حقیقت توحید	۱/۲/-	روداد جماعت اسلامی حصہ دوم	-/۱۳/-
اسلام اور ضبط ولادت	۱/-/-	روداد جماعت اسلامی حصہ سوم	(زیر طبع)
مسئلہ سود (زیر طبع)	۳/۸/-	روداد اجتماع خواتین	(زیر طبع)

ملنے کا پتہ

مکتبہ جماعتِ اسلامی

ذیلدار پارک اچھرہ - لاہور (پاکستان)